جملہ حقوق محفوظ

یار غار

مصنفہ

شیخ نور الٰہی صاحب ایم-اے-آئی-سی-ایس

انسپکٹر مدارس لاہور

سنہ ۱۹۳۰ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

بار اول

T.T.F

No:...1

T.T.F LIBRARY
No. 153

یارِ غار

رام لعل۔ سعید اور سندر سنگھ چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے۔ تینوں میں بڑی محبت تھی۔ اتوار کے روز رام لعل نے سعید اور سندر سنگھ کی دعوت کی۔

سعید اور سندر سنگھ صبح سویرے ہی رام لعل کے ہاں آگئے۔ رام لعل کو پھولوں کا بہت شوق تھا۔ اُس نے گھر کے صحن میں ایک چھوٹا سا باغ لگا رکھا تھا۔ پہلے تو تینوں دوست آستینیں چڑھا باغ میں کام

Taj Tahir Foundation

کرتے رہے۔ اتنے میں دس بج گئے۔
رام لعل کی ماں نے کھانے کو بلایا۔
تینوں ہاتھ منہ دھو کمرہ میں آئے۔
رام لعل کی بڑی بہن وِدّیا تین تھال
کھانے کے لے آئی۔ ہر تھال میں
کئی قسم کی چیزیں تھیں۔ تین چار
قسم کی بھاجیاں تھیں۔ میٹھے چاول
تھے۔ اُن کے ساتھ بالائی۔ پھر فرنی۔
اس پر چاندی کے ورق تین قسم کا
اچار تھا۔ آم۔ نیبو اور شلغم کا۔ دو
قسم کا مربّہ۔ ایک سیب کا۔ دوسرا
نارنگی کا۔

تینوں نے بڑے مزہ سے کھانا کھایا
اب فکر ہوئی کہ کوئی کھیل کھیلیں۔
وِدّیا چھٹی جماعت میں پڑھتی تھی۔ وہ

بھائی کے دوستوں کو بھائی سمجھتی تھی۔
سعید اور سندر سنگھ بھی اِس سے
بھائیوں کی سی محبّت کرتے تھے۔

یہ تینوں بیٹھے سوچ رہے تھے کونسی
کھیل کھیلیں کہ وِدّیا بھی برتن رسوئی
خانہ میں پہنچا کر ان کے پاس آ
بیٹھی۔ انہیں سوچ میں دیکھ کر بولی
کیوں بھائی کس فکر میں ہو۔

سعید نے کہا۔ بہن اِس فکر میں
ہیں کہ کیا کھیل کھیلیں۔ کبڈی
فٹ بال۔ گھوڑی ٹپّن۔ کوٹلا چھپاکی۔
کھدّو کھونڈی۔ کھیل تو بیسیوں ہیں۔
لیکن اِن کھیلوں کے لئے چاہئیں
بہت سے لڑکے۔ ہم ہیں کُل تین۔
کھیلیں تو کیسے کھیلیں۔

Taj Tahir Foundation

رام لعل۔ میں نے تو کہا ہے آؤ مشاعرہ
کریں۔ میں ایک شعر کہوں۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

اب اس شعر کا آخری حرف الف
ہے۔ تم ایسا شعر کہو جو الف سے شروع
ہو۔ جیسے۔ شعر۔

اپنے دُکھ کا کیجئے اوّل عِلاج
دوسروں کا پوچھئے پیچھے مزاج

سندر سنگھ۔ نہیں بھائی مجھے شعر یاد
نہیں۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے۔
کہ میں اس کھیل میں حصّہ ہی نہیں
لے سکتا۔

رام لعل۔ اچھّا تو پھر فقرہ بازی کریں
وہ یوں کہ میں ایک کوئی لفظ یا محاورہ

بولوں۔ تم اس لفظ یا محاورہ سے ایک
اچھّا سا فقرہ بناؤ۔ مثلاً میں کہوں اُرد
پر سفیدی۔ تم سب سوچ کر اپنا اپنا
فقرہ بناؤ۔ جو نہ بنا سکے وہ یا تو
ایک کہانی کہے یا نظم سُنائے۔

سندر سنگھ۔ نہیں۔ بھائی یہ کھیل بھی
مشکل ہے۔

سعید۔ نہیں سندر۔ یہ کھیل ضرور کھیلیں
ہار گئے تو یہی ہوگا نا کہ ایک کہانی
یا نظم سُنانی پڑیگی۔ سو یہ کوئی مشکل
بات نہیں۔ بہن وِدیّا تم بھی اِس
کھیل میں شریک ہوگی نا۔

وِدیّا۔ ہاں۔

سعید۔ اچھّا رام لعل تم شروع کرو۔

رام لعل۔ (سوچ کر) آنکھ اونچی نہ ہونا۔

Taj Tahir Foundation

سعید۔ لو پہلے میں فقرہ بناتا ہوں۔
سعید ایسا با شرم ہے کہ بڑوں کے
سامنے اُس کی آنکھ اونچی نہیں ہوتی۔
وِدیا۔ (ہنس کر) جو اپنی تعریف خود کرتا
ہے۔ اُسے دوسروں کے سامنے شرم سے
آنکھ جُھکانی پڑتی ہے۔

سعید۔ نہیں۔ میں اپنی تعریف نہ کر رہا
تھا۔ فقرہ بناتے اور کوئی نام نہ سوجھا
سعید کہ دیا۔ آپ نے خوب کیا۔ آنکھ
کا ایک اور محاورہ بول دیا۔ اب میں
محاورہ کہتا ہوں۔ رام لعل فقرہ بنائیں۔

رام لعل۔ کہو۔

سعید۔ آنکھ بچانا۔

رام لعل۔ سعید یہ کیا بات ہے جو تم
جب بھی پاس سے گذرتے ہو۔ آنکھ

Taj Tahir Foundation

بچا کر نکل جاتے ہو +

وِدیا۔ آنکھ پر پردہ پڑنا۔ سعید اِس محاورہ سے ایک فقرہ تم بناؤ +

سعید۔ خدا جانے ہندو بھائیوں کی آنکھوں پر کیا پردے پڑے ہیں کہ آپس میں لڑتے مرتے ہیں۔ بھائی سندر اب تم فقرہ بناؤ +

سُندر۔ تم محاورہ کہو۔

سعید۔ آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پُورا +

سُندر۔ یہ محاورہ تو مال دار بے وقوف کے لئے بولتے ہیں۔ مجھے اس پہ ایک پہیلی یاد آئی۔ بوجھو گے؟

وِدیّا۔ اچھّا کہو۔

سُندر۔ بالے پن میں آنکھ لگی اور دل میرا للچایا۔ گانٹھ کا پورا آنکھ کا اندھا

Taj Tahir Foundation

ایسا سیاں پایا ۔

سب سوچنے لگے ۔ کچھ دیر بعد بولے
بھئی یہ پہیلی سمجھ میں نہیں آئی ۔

سُندر ۔ یہ گنّا ہے ۔ تمہیں معلوم ہے
گنّے کی آنکھ زمین میں لگاتے ہیں ۔
اور گنّا گانٹھ کا پورا اور آنکھ کا اندھا
بھی ہوتا ہے ۔

رام لعل ۔ خوب ۔ اچھا بھئی اب محاورے
ہو چکے ۔ میں ایک لفظ کہتا ہوں ۔ اُس
سے اپنا اپنا فقرہ بناؤ ۔

سعید ۔ اچھا کہو ۔

رام لعل ۔ مطلوب ۔

ودیا ۔ مجھے ایک کتاب مطلوب ہے ۔

سعید ۔ مجھے آپ کی خوشی مطلوب ہے ۔

سُندر سنگھ ۔ یہاں سب خیریت ہے ۔

اور آپ کی خیریت خداوند تعالیٰ سے
نیک مطلوب ہوں ۔

سعید ۔ غلط ۔ اب نظم سُناؤ ۔ یا کہانی ۔

سُندر سنگھ ۔ واہ ۔ غلط ہی نہ ہو کہیں ۔
ہم خطوں میں روز یہی لکھتے ہیں ۔

ودیا ۔ بھائی سُندر مطلوب کے معنی ہیں
طلب کیا گیا ۔ چاہا گیا ۔ اس لئے نیک
مطلوب ہے ۔ درست ۔

سعید ۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ
ہر خط اس نیک مطلوب ہے سے
کیوں شروع ہوتا ہے ۔

ودیا ۔ ہاں ۔ یہ بھی بہت سی رسموں کی
طرح ایک رسم سی پڑ گئی ہے ۔ ورنہ
اِس کی ضرورت تو کوئی بھی نہیں ۔ تم
اگر کسی دوست یا عزیز کو خط لکھ رہے

Taj Tahir Foundation

ہو تو ظاہر ہے کہ تم اس کی خیریت
چاہتے ہو۔ لکھنے یا کہنے کی کیا ضرورت
ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ خط میں
صرف وہی باتیں لکھّو جو تم سامنے ہوتے
تو کہتے اور کہو بھی اُسی سادہ طریق
سے۔

رام لعل۔ ہاں۔ ودیّا بہن۔ ایسا ہی چاہیئے
میں تو سعید کو جب خط لکھتا ہوں۔
نہایت سیدھا اور سادہ۔

سعید۔ ہاں۔ آپ کا دعوت کا رقعہ میری
جیب میں ہے۔ نکال کر۔ یہ دیکھو۔
ودیّا نے لے کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

رام کوٹ۔ ۷ اپریل۔

سعید

بندگی۔ پچھلی اتوار ہم سندر کے ہاں

اکٹھے ہوئے تھے۔ خوب لطف سے دن
گذرا۔ مجھے تو اس دن کی سیر کبھی
نہ بھولے گی۔ وہ سنہری گیہوں
کے کھیت۔ تمہیں یاد ہے۔ ایک کھیت
میں کچھ کسان بیٹھے گیہوں کاٹ رہے
تھے۔ انہی میں ایک بہت بوڑھا کسان
تھا۔ سندر سنگھ اُسے دیکھ کر بولا۔ کیوں
میاں مولا بخش کل تو تمہیں بخار تھا۔
آج کھیت کاٹ رہے ہو۔ اچھّے ہوگئے؟
مولا بخش۔ (کھانس کر) نہیں بیٹا۔ بخار تو
ابھی ہے۔ لیکن گیہوں بھی تو کاٹنے
ہیں۔ میں نہ کاٹوں گا۔ تو اَور کون
کاٹے گا۔ تمہیں یاد ہے۔ حسین بخش۔
یہ کہ کر مولا بخش رونے لگا۔

سندر سنگھ۔ ہاں۔ چودھری۔ اچھا لاؤ۔

Taj Tahir Foundation

ہم تمہارا کھیت کاٹ دیں۔ یہ کہہ کر
سُندر نے مولا بخش کے ہاتھ سے
درانتی لے لی۔ اور کھیت کاٹنے لگا۔
تم بھی دوسرے کھیت میں جا کر کسی
سے درانتی لے آئے اور سُندر کے
ساتھ کھیت کاٹنے لگ گئے۔ میں نے
کوشش کی مگر مجھے درانتی نہ ملی۔
سُندر تو برابر لگا رہا۔ تم گھنٹہ بھر میں
تھک گئے اور بولے اوہو۔ میں تو
اسے سہل کام سمجھا تھا۔ لیکن یہ تو
خاصا مشکل نکلا۔ سندر نے کہا۔ مشکل
تو نہیں۔ صرف مشق اور عادت کی
بات ہے۔ تمہیں مشق نہیں اس لئے
جلد تھک گئے۔ میں نے تمہارے ہاتھ
سے درانتی لے لی اور گیہوں کاٹنے

شروع کئے۔ چھوٹا سا کھیت تھا۔ تین
ساڑھے تین گھنٹے میں ہم نے سب
کھیت صاف کر دیا۔ پھر پولیاں باندھ
کر ڈھیر لگا دیا۔ مولا بخش نے سینکڑوں
دعائیں دیں۔ بھئی سچ تو یہ ہے۔ کہ
میں تھک تو گیا تھا۔ ہاتھوں میں بھی
چھالے سے پڑ گئے تھے۔ تم بھی کہتے
تھے کہ تھک گیا ہوں۔ لیکن جو لطف
اُس کھیت کاٹنے میں آیا تھا۔ کبھی
فُٹ بال اور ہاکی کے کھیل میں بھی
نہیں آیا۔ پھر ہم سندر کے کنوئیں پر
گئے۔ وہاں رہٹ کی سواری نے خوب
لطف دیا۔ تم تو ایسے مزہ میں آئے
کہ نیچے اُترتے ہی نہ تھے۔ اچھا بھئی۔
ابکی اتوار تم میرے ہاں آؤ۔ میں نے

Taj Tahir Foundation

ماتا جی سے ذکر کیا تھا۔ وہ کہتی ہیں۔
ضرور بلاؤ۔ سُندر کو بھی میں نے لکھا
ہے۔ میں امید کرتا ہوں تم ضرور
آؤ گے اور بہن زبیدہ کو بھی ساتھ
لاؤ گے۔

تمہارا بھائی رام لعل۔

سندر۔ مگر بہن۔ ماسٹر جی تو بڑے بڑے
لفظوں کو پسند کرتے ہیں۔ مثلاً باپ
کو خط لکھنا ہو تو جی چاہتا ہو۔ کہ
میرے اچھّے پتا جی یا میرے پیارے
پتا جی لکھوں۔ جس سے پتا جی کو
معلوم ہو کہ مجھے ان سے کیسی محبت
ہے۔ مگر ماسٹر جی کہتے ہیں۔ پدر بزرگوار
اور ایشور جانے کیا کچھ۔ لکھّو۔ مجھے تو
اُس کا ایک حرف بھی سمجھ میں نہیں

آتا۔ مگر کیا کریں لکھنا پڑتا ہے۔
وِدیا۔ بھائی۔ میں کہ تو نہیں سکتی چھوٹا
منہ بڑی بات۔ لیکن تمہارے ماسٹر جی
خود بھی غلط راستے پر چل رہے ہیں
اور تمہیں بھی غلط راہ پر ڈال دیا
ہے۔ میری صلاح مانو۔ خط لکھتے ہوئے
بس یہی سمجھو کہ جسے خط لکھ رہے
ہو وہ تمہارے سامنے ہے۔ اور تم اُس
سے باتیں کر رہے ہو۔
رام لعل۔ ہاں میں تو ایسا ہی کرتا
ہوں۔ اچھّا سندر اب شرط پوری کرو۔
اور نظم سُناؤ۔
سندر۔ (سوچ کر) بھئی۔ نظم تو کوئی یاد
نہیں۔ ایک کہانی آتی ہے۔ وہ سن لو۔
رام لعل۔ اچھّا کہو۔

Taj Tahir Foundation

سُندر۔ سُنو:۔

کہانی

گرو گوبند سنگھ جی کے عہد میں
پنڈی شہر میں ایک بڑا سردار رہتا
تھا۔ اُس کے پاس سینکڑوں گاؤں تھے
ہزاروں گائے بھینسیں تھیں۔ اصطبل
میں اچھّے سے اچھّے گھوڑے تھے۔
غرض واگرو جی نے سبھی کچھُ دے
رکھا تھا۔ کمی تھی تو صرف ایک۔ وہ
یہ کہ سردار کے ہاں کوئی بچّہ نہ تھا۔
اس لئے سردار اور سردارنی دونوں
مغموم رہتے تھے۔ ایک روز سردارنی
ایسی افسوس میں بیٹھی تھی کہ اُسے
ایک سہیلی ملنے آئی۔ اُس نے سردارنی

کے چہرہ پر فکر کی گھٹا دیکھی۔ پوچھا
بہن کیا چنتا ہے ؟
سردارنی نے کہا کیا بتاؤں۔ واگرو
نے اتنا کچھ دیا ہے۔ کہ رواں رواں
بھی اُس کا شکر ادا کرے تو ادا نہ
ہو۔ بس ایک ہی کمی ہے وہ یہ
کہ ایشور نے کوئی بال نہیں دیا۔ بال
بغیر سینے میں ایک ہوک سی اُٹھتی
ہے۔ خیر اپنا اکیلی کا غم ہو تو سہ
بھی لوں۔ فکر ہے تو یہ ہے کہ سردار
جی کا چہرہ جو بہار کے پھُول کی
طرح ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اب جون
جولائی کی دھُوپ کھائے ہوئے پھُول
کی طرح کملایا رہتا ہے۔ میں نے کہا
بھی ہے کہ پیارے پتی تم اور شادی

کر لو۔ شاید اُس سے کوئی اولاد ہو
جائے۔ مگر وہ میری اس بات سے
ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اولاد
کا ہونا نہ ہونا تو واگرو کے اختیار
میں ہے۔ لیکن سوتن لا کر تمہارے
پھول سے دل میں رات دن کانٹے
چبھوؤں۔ یہ نہ ہُوا ہے نہ ہوگا۔

سردارنی کی سہیلی یہ باتیں سُن کر
بولی۔ بہن تم تو بڑی خوش نصیب ہو
ایسا پتی پرمیشور سبھی کو دے۔ ہاں
بہن۔ اولاد کا نہ ہونا بڑا دُکھ ہے۔
تمہیں یاد ہے میرے ہاں بھی اولاد
نہ ہوتی تھی۔ مجھے تو ایک سادھو نے
کہا منّت مانو لڑکا ہوگا تو جوان ہونے
پر اُسے امرت سر گرو جی کی زیارت

کو بھیجوں گی۔ میں نے منّت مانی۔
پرمیشور نے سال بھر بعد ایک چاند
سا لڑکا دیا۔ اب ایشور رکھے۔ پانچ
سال کا ہے۔ جس وقت اٹھارہ سال
کا ہوگا اُسے امرت سر بھیجوں گی۔
سردارنی جھٹ بولی۔ اچھا بہن۔ میں بھی
یہی منّت مانتی ہوں۔ اس کے بعد
اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے سہیلی
چلی گئی۔

شام کے وقت سردارنی نے سردار
جی سے ذکر کیا۔ وہ کہنے لگے۔ منّت
میں کیا رکھا ہے۔ تمہارا جی چاہے۔
تم بھی منّت مان لو۔ سردارنی نے بھی
دل سے عہد کیا کہ اُس کے لڑکا
ہوگا تو امرت سر دربار صاحب کی

Taj Tahir Foundation

زیارت کو بھیجوں گی۔ واگرو جی کا کرنا
کیا ہؤا۔ سال ڈیڑھ سال بعد سردارنی
کے ہاں لڑکا پیدا ہؤا۔ سردار نے
سارے شہر کی دعوت کی یہ غریبوں
کے لئے اپاہج خانے اور یتیموں کے
لئے یتیم خانے قائم کئے۔ جس کسی نے
بھی بچّے کو دیکھا کہا چاند کا ٹکڑا ہے
یوں تو ہر امیر کے بچّہ کو دیکھنے والے
خوشامد سے خوبصورت بتایا ہی کرتے
ہیں۔ لیکن اسکے خوشامد کم تھی سچائی
زیادہ۔ یعنی بچّہ حقیقت میں بہت خوب
صورت تھا۔ سفید رنگ۔ گول چہرہ۔
موٹی موٹی آنکھیں۔ ننھّے ننھّے سُرخ
ہاتھ پاؤں۔ پیدائش کے وقت بھی
خاصا چھ مہینہ کا بچّہ معلوم ہوتا

تھا۔ لیکن بڑھاؤ اس قدر تیز ہؤا کہ
دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ دو تین سال
کا تھا کہ انجان چار پانچ سال کا
بتاتے تھے۔ باپ نے نام بھی شبیر سنگھ
رکھا۔ اُن دنوں اجکے سے اسکول تو
نہ تھے۔ گھر سے قریب مولوی جی ایک
مسجد میں بچّوں کو اُردو فارسی پڑھایا
کرتے تھے۔ شبیر سنگھ کو بھی وہیں پڑھنے
بٹھا دیا۔ شبیر سنگھ کو پڑھنے کا شوق
اتنا نہ تھا جتنا کھیل کا۔

دوستوں کی باتیں

سعید۔ خدا جانے بچّوں کو پڑھنے
کیوں بٹھا دیتے ہیں۔ بچپن کا وقت
تو کھیل کے لئے ہے پڑھنے کے

Taj Tahir Foundation

لئے نہیں ۔

رام لعل۔ نہ جانے۔ پڑھنے کا وقت جب آئیگا جب چودھری حسن دین کی طرح سفید ڈاڑھی ہوگی۔ منہ میں دانت نہ ہونگے۔ آنکھوں سے اچھّی طرح سجھائی نہ دیگا۔ کانوں سے سُنائی نہ دیگا۔ لکڑی کے سہارے ٹک ٹک کرتے مکتب جائینگے۔ ماسٹر جی کہینگے زمین اور ہم سُنیں گے آسمان ۔

وِدیّا۔ سعید۔ یہی وقت پڑھنے اور علم حاصل کرنے کا ہے۔ پُرانے ہندوؤں نے جو معلوم ہوتا ہے بہت سمجھدار تھے۔ انسان کی زندگی کے چار حِصّے کئے تھے۔ بچپن پڑھنے اور ہُنر سیکھنے کے لئے۔ جوانی سپاہ گری

کے لئے۔ پختگی شادی اور خانہ داری کے لئے۔ بڑھاپا ایشور کی یاد کے لئے

سعید۔ بہن۔ کھیل کے لئے کوئی بھی وقت نہیں۔ ابّا جی تو کہا کرتے ہیں کھیل تماشا انسان کی زندگی کا نمک ہے۔ اگر یہ نہیں تو زندگی بے لُطف ہے۔ یہی ایک بات ہے جو ہندوستانی نہیں سمجھے۔ بس میاں صبح اُٹھے ہاتھ منہ دھویا۔ کھانا کھایا۔ دفتر گئے۔ شام کو گھر آئے۔ پھر کھانا کھایا۔ اور مُردوں کی طرح چارپائی پر لیٹ گئے۔ بس ہندوستانی کی یہ روزانہ زندگی ہے کیا اسے زندگی کہہ سکتے ہیں ۔

سُندر سنگھ۔ میاں سعید تم سچ کہتے ہو۔ مجھے خود پڑھنے سے زیادہ کھیل میں

Taj Tahir Foundation

لطف آتا ہے۔
وِدیا۔ بھائی سُندر۔ میں یہ نہیں کہتی
کہ کھیل نہ کھیلو۔ اور نہ ہمارے
پُرانے رشی ہی یہ کہتے تھے۔ وہ کونسا
انسان ہے۔ جسے کھیل کا شوق نہیں
لیکن اس کے لئے کسی خاص عمر کی
ضرورت نہیں۔ جب تک انسان دُنیا
کے دھندوں میں پھنسا ہے۔ کام سے
فارغ ہو کر اُسے تکان دُور کرنے اور
دل کے بہلانے کے لئے کھیل ضرور
کھیلنا چاہیئے۔ ورنہ وہ سُست ہو جائیگا
اور کام میں بھی اُسے لُطف نہ آئیگا۔
اور کام میں اگر لطف نہ حاصل ہو۔
تو پھر کام بھی اچھی طرح نہیں ہوتا۔
سعید۔ ہاں۔ بہن یہ ٹھیک ہے۔ میں

تو جس روز کھیلتا نہیں اس روز اچھی
طرح دل لگا کر پڑھا ہی نہیں جاتا۔
وِدیا۔ ہاں پڑھو بھی اور کھیلو بھی اور
سچ پوچھو تو کھیل میں بھی ہم وہ کچھ
سیکھ سکتے ہیں جو شاید کتابیں پڑھ
کر نہیں سیکھتے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ
جب کام کرو تو دل لگا کر کرو۔ کھیلتے
ہوئے کھیل کا خیال ہو۔ یہ نہیں کہ
اس وقت حساب جغرافیہ کی باتیں ہوں
اور پڑھتے ہوئے پڑھائی کا خیال ہو۔
یہ نہ ہو کہ ماسٹر جی تو تختہ سیاہ پر
سوال نکال رہے ہوں۔ اور تم خیال
کے میدان میں فٹ بال کھیل رہے
ہو۔
سُندر سنگھ۔ ہاں۔ نہیں یہ تو بُری بات

Taj Tahir Foundation

ہے۔ لیکن مجھے اَور تو کسی گھنٹے میں
کھیل کا خیال نہیں آتا صرف حساب
کے گھنٹے میں کبھی تو میں خیالی
درختوں پر چڑھ کر فاختہ اور کوئل
کے گھونسلے اتارتا ہوں۔ اُن کے ننھّے
ننھے بچّے چوں چوں کرتے ہیں۔ میں
خیال ہی خیال میں اُن کی چونچیں
منہ میں لے کر انہیں دانا دیتا ہوں
کل اسی خیال میں شاید میں منہ بنا
رہا تھا۔ ماسٹر جی نے دیکھ لیا۔ بولے
کیا کر رہا ہے۔ میں نے کہا ہونٹ
درد کر رہے ہیں۔ بھائی رام لعل میرے
پاس بیٹھتے ہیں۔ سمجھ گئے کہ میں جھوٹ
بول رہا ہوں۔ میری طرف انہوں نے
گھور کر دیکھا۔ میں جھٹ کھڑا ہو کر

بولا۔ ماسٹر جی۔ آپ معاف کریں۔ میں
نے جھوٹ بولا ہے۔ میرے ہونٹ
درد نہیں کر رہے۔ میں طوطے کے
بچّوں کو چوگا دے رہا تھا۔ ماسٹر جی نے
پوچھا وہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا۔ جی
میرے پاس تو نہیں۔ میں تو صرف
خیال کر رہا تھا کہ وہ میرے ہاتھ
میں ہیں اور بھوک کے مارے چوں
چوں کر رہے ہیں۔ تمام جماعت یہ سُن
کر ہنس پڑی میں شرمندہ ہو گیا۔
پھر کبھی فٹ بال کھیلنے لگتا ہوں۔ دو
چار روز ہوئے بیٹھے بیٹھے میں نے
زور سے ٹانگ آگے کو چلائی۔ سعید
سامنے بیٹھا تھا۔ اسے لگی۔ بولا کیا
ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کچھ بھی نہیں

Taj Tahir Foundation

کک لگا رہا ہوں۔ سعید جھلایا ہوا تھا
بولا۔ تو میں بھی اُٹھ کر آپ کو فٹ بال
بناؤں ؟

ودیّا۔ سُندر۔ یہ تو بُری بات ہے۔
معلوم ہوتا ہے۔ تمہیں حساب نہیں آتا۔
یہی وجہ ہے کہ حساب کے گھنٹے میں
تمہارا سوالوں میں جی نہیں لگتا۔ اور
تم خیال کی باگ ڈور بالکل ڈھیلی
چھوڑ دیتے ہو۔ بہتر ہے کہ تم مجھ
سے یا رام لعل سے وہ تمام قاعدے
جو جماعت میں ہو چکے ہیں۔ اچھی
طرح سیکھ لو ۔

سُندر سنگھ۔ اچھّا بہن۔ آج تو نہیں۔
کل پرسوں سیکھ لونگا ۔

ودیّا۔ اور سُندر مجھے تم سے ایک بات

اَور بھی کہنی ہے وہ یہ کہ پرندوں
کو اچھی طرح غور سے دیکھو۔ اِن کی
عادتیں معلوم کرو۔ ان سے سبق سیکھو
لیکن انہیں ستاؤ نہیں۔ ان کے گھونسلے
اُتارنا انہیں گھر سے بے گھر کرنا ہے۔
پھر ان کے انڈے بچّے لے آنا تو بس
ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی ماں کی
بھری گود کو خالی کرنا۔ تم اپنی ماتا جی
کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہو تو
وہ کیسی پریشان ہوتی ہیں ؟

سعید۔ مگر بہن۔ ان پرندوں کو اپنے
بال بچّے یاد تھوڑا ہی رہتے ہیں ۔

ودیّا۔ کیوں نہیں۔ تم نے چڑیا کو دیکھا
ہے۔ کبھی کوئی بچہ جس کے ابھی پر
نہیں نکلے گھونسلے سے گر پڑتا ہے۔ تو

Taj Tahir Foundation

کیسی دیوانوں کی طرح اُس کے گرد
گھومتی ہے۔ اس وقت اگر کوئی اُٹھا
کر گھونسلے میں رکھ دے تو خوش ہو
کر چوں چرڑ چوں۔ چوں چرڑ چوں۔ کرتی
ہے۔ گویا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ ایسی
یاد۔ سو بھائی انسان کب مردوں کو ہمیشہ
یاد رکھتا ہے ۔

رام لعل۔ بہن۔ تمہیں تو کتھا کہنے کا
مرض ہے۔ اب بس کرو۔ کہانی سُنیں۔
لو بھئی سُندر تم کہانی کہو ۔

کہانی

سُندر۔ ہاں۔ تو میں کیا کہ رہا تھا؟

رام لعل۔ تم کہ رہے تھے۔ شیر سنگھ کو
پڑھنے کا شوق نہ تھا کھیلنے کا بہت

شوق تھا ۔

سُندر۔ ہاں۔ اُس زمانہ میں آجکل کے
کھیل تو تھے نہیں۔ نہ فٹ بال تھی۔
نہ کرکٹ۔ یہ تو انگریزوں کے کھیل ہیں
وہی ساتھ لائے ہیں۔ غریب تو یہی
کبڈی۔ گھوڑی ٹپّن وغیرہ کھیلا کرتے
تھے۔ امیروں کے بچّے نیزہ بازی۔ تیر
اندازی۔ تلوار چلانا۔ گھوڑے دوڑانا یہی
کچھ سیکھتے تھے۔ اور یہی کچھ کھیلا بھی
کرتے تھے۔ چنانچہ شیر سنگھ نے بھی
کھیل کہ لو یا ہنر یہ سب باتیں سیکھیں۔
جب بارہ سال کا ہُوا تو سر پر سے
باپ کا سایہ جاتا رہا۔ یعنی سردار جی
سورگ کو سدھارے۔ سردارنی کو اور
شیر سنگھ کو بڑا رنج ہُوا۔ مہینوں گھر

Taj Tahir Foundation

ہیں ماتم رہا۔ وقت جیسے بہن وِدیا کہتی
ہیں۔ تمام غموں کا علاج ہے۔ کچھ
عرصہ بعد گھر سے ماتم کی سیاہی دُور
ہوئی۔ اور پھر خوشی کی روشنی دکھائی
دینے لگی۔ شیر سنگھ گو ابھی لڑکا ہی
تھا۔ لیکن بات کو سمجھتا تھا۔ اِسے
معلوم تھا کہ اب ماں کی خوشی کا
انحصار صرف اُسی پر ہے۔ چنانچہ ہر
وقت ماں کی دلداری کرتا۔ تم نے
بھادوں کے مہینہ میں دیکھا ہوگا کہ
بادل کے ٹکڑے آسمان پر اُڑتے
پھرتے ہیں۔ جب کبھی کوئی بادل کا
ٹکڑا سُورج کے سامنے آجاتا ہے۔
تو سامنے کا کھیت جو ابھی دھوپ
میں مُسکرا رہا تھا۔ بادل کی سیاہی

سے سونا پڑ جاتا ہے۔ یہی حال سردارنی
کے چہرہ کا تھا۔ کبھی کبھی میاں کی
یاد مُسکراتے چہرہ پر غم کی سیاہی
پھیر دیتی تھی۔ شیر سنگھ دیکھتا تو پیار
و محبّت کی باتیں کر کے پھر ماں کے
چہرہ کو خوشی کی کرنوں سے منوّر کر
دیتا۔ ہوتے ہوتے چھ سال اَوْر
گذر گئے اور شیر سنگھ کی اٹھارھویں
سال گرہ قریب آئی۔ اب تو سردارنی
کا عجب حال ہُوا۔ جب بھی دیکھو
فکر میں بیٹھی ہے۔ شیر سنگھ پاس
نہ ہوتا تو رونے لگتی۔ شیر سنگھ ایک
دن باہر سے آیا تو اس نے ماں
کو روتا دیکھ لیا۔ ماں سے پوچھا۔
ماتا جی کیا بات ہے۔ آپ کو روتا

Taj Tahir Foundation

دیکھ کر میرا دل غم کے کنوئیں میں ڈوب جاتا ہے۔ ماں یہ سُن کر مُسکرا دی۔ آنکھوں میں آنسو چہرہ پر ہنسی تم نے کبھی دیکھا ہوگا۔ آسمان پر بادل ہیں۔ ابھی بارش برس کر تھمی ہے۔ ہوا میں پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے بغیر کسی سہارے کے لٹک رہے ہیں۔ اچانک بادل پھٹتا ہے۔ سُورج کی کرنیں اِس پھٹی ہوئی جگہ سے داخل ہو کر پانی کے قطروں کو جگمگا دیتی ہیں۔ اور ہم کیا دیکھتے ہیں۔ سات رنگوں کی پینگ۔ جسے قوس قزح بھی کہتے ہیں۔ بس یہی صورت سردارنی کے چہرہ کی تھی۔
شیر سنگھ نے ماں سے پوچھا۔ ماتا جی

میں تمہیں کئی روز سے فکر میں دیکھتا ہوں۔ کیا بات ہے؟

ماں نے کہا۔ نہیں بیٹا کچھ بھی نہیں۔ واگرو جی تمہارے پتا کو سورگ میں جگہ دے۔ اُن کا کبھی کبھی خیال آتا ہے۔ ایشور جانے جائداد کا کیا حال ہے۔ وہ ہوتے تو دیکھتے۔

شیر سنگھ یہ سُن کر بولا۔ ماتا جی گاؤں کے نمبرداروں سے تو میں جب بھی آتے ہیں پوچھتا رہتا ہوں۔ وہ حال اچھا ہی بتاتے ہیں۔ لیکن کان سے سننے اور آنکھ سے دیکھنے میں فرق ہے۔ انتظام وہی جو خود کیا جائے اگر آپ اجازت دیں تو میں خود جاکر سب حال دیکھ آؤں۔

Taj Tahir Foundation

ماں کو بیٹے کی جدائی کا خیال تو آیا۔ لیکن تھی سمجھدار۔ سوچی کہ اب جوان ہؤا ہے۔ اسے جائداد کی خود ہی دیکھ بھال کرنا چاہیئے۔ بولی۔ ہاں بیٹا۔ جاؤ۔ اور ہر چیز اچھّی طرح دیکھ کر جہاں کہیں کمزوری ہو اُس کا انتظام کر آؤ۔ شیر سنگھ نے ماں کا مُنہ چُوما اور دوسرے روز صبح ہی دو ملازم ساتھ لے۔ گھوڑے پر سوار ہو روانہ ہو گیا۔ کوئی مہینہ بھر یہ گاؤں گاؤں پھرتا رہا۔ اُس زمانے میں روپے کی خواہش کم تھی۔ اِس لئے لوگ عموماً دیانتدار تھے۔ چنانچہ جہاں بھی گیا۔ حالت اچھّی دیکھی۔ گاؤں آباد تھے۔ کنوئیں چل رہے تھے۔ کاشتکار

خوش حال تھے۔ گائے بھینسیں موٹی تازی۔ دودھ کی مشکیں بندھ رہی تھیں یہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہؤا۔ کہیں کہیں کاشتکار اپنی فضول خرچیوں کی طفیل ساہوکاروں کے پنجہ میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اور اُن کے گھروں پر قرض کی نحوست چھائی ہوئی تھی۔ اُن کے بال بچّے بھی اپنے کملائے ہوئے چہروں اور پھٹّے ہوئے چیتھڑوں سے ماں باپ کی تنگ حالی کا پتہ بتاتے تھے۔ وہاں یہ ایک دو روز کے لئے ٹھہر جاتا۔ گاؤں والوں کو کفایت شعاری کے فائدے بتاتا۔ پھر پنچایت کو بُلا کر سمجھاتا کہ تم ان کی مدد کرو۔ انہیں روپیہ تھوڑے سود پر قرض دو۔

Taj Tahir Foundation

جہاں کہیں پنچایت کے پاس روپیہ
نہ ہوتا وہاں خود پنچایت کو قرض
دیتا۔ اس طرح آرام اور خوشی بکھیرتا
یہ مہینہ بعد گھر واپس آیا اور ماں
کو سب حال سنایا۔ وہ سُن کر بہت
خوش ہوئی۔ بولی بیٹا۔ ایشور نے
تمہیں نیک اور رحمدل بنایا ہے۔
میں سمجھتی ہوں۔ یہی میری بڑی
جائداد ہے۔ واگرو جی اسے سلامت
رکھے۔ تم اگر اسی طرح اپنے ہم جنسوں
کے آرام کا خیال کرتے رہے۔ تو
یقیناً تم دنیا میں پھلو پھولو گے۔
دولت تو برتی پھرتی چھاؤں ہے۔
سب سے بڑی چیز عزت۔ دِل کی
خوشی اور اطمینان ہے۔ یہ تمہیں

ضرور حاصل ہونگے۔ شیر سنگھ بولا۔
ماتا جی۔ مجھے تو صرف ایک چیز چاہیئے
ماں نے پوچھا وہ کیا۔ شیر سنگھ نے
ماں کے گلے میں باہیں ڈال دیں
اور کہا۔ پیاری ماتا جی کی محبّت اور
خوشی۔ ماں نے بیٹے کا مُنہ چُوم لیا
اور پھر دوپٹّہ کا آنچل اُٹھا کر اپنی
آنکھوں پر رکھ لیا۔ شیر سنگھ سمجھ
گیا۔ یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ خاموش
ہو رہا۔

اب سالگرہ کا دن بہت ہی قریب
آ گیا۔ ماں کی بے چینی اور بھی زیادہ
ہو گئی۔ جس وقت بھی دیکھو چہرہ
پر غم کے بادل ہیں۔ شیر سنگھ باہر
جاتا تو بادل جھڑی بن کر برسنے لگتے

Taj Tahir Foundation

ایک روز پھر شیر سنگھ نے ماں کو
روتے دیکھ لیا۔ بولا۔ ماتا جی۔ آپ
کیوں روتی ہیں۔ آپ کے آنسو مجھ
سے دیکھے نہیں جاتے۔ ماں نے پھر
اوں آں کر کے ٹالنے کی کوشش
کی۔ لیکن شیر سنگھ نے ضد کی آخر
مجبور ہو کر ماں نے اپنے عہد کا
ذکر کیا۔ شیر سنگھ نے کہا ماتا جی۔
یوں تو منّت وغیرہ کو میں نہیں مانتا
یہ صرف اعتقاد کی کمزوری ہے۔ لیکن
منّت ایک عہد ہے۔ اور عہد کا پورا
کرنا انسان کا فرض ہے۔ میں جانتا
ہوں۔ کہ اگر میں دربار صاحب کی
زیارت کو نہ جاؤں تو اس کا کوئی
بُرا نتیجہ نہ ہوگا۔ مگر آپ عہد کر چکی

ہیں کہ جب میں اٹھارہ سال کا ہوں
تو امرت سر زیارت کو ضرور جاؤں۔
اور میرا فرض ہے کہ میں اپنی ماتا جی
کے عہد کو پورا کروں۔ دوسرے میں
چاہتا بھی ہوں کہ گرو جی کی پیدائش
کی جگہ کو دیکھ آؤں۔ ایک تو اس
سے گرو جی کی یاد دل میں تازہ ہو
جائیگی۔ اور ان کی خوبیوں کا اثر مجھ
پر پڑیگا۔ دوسرے سفر سے بہت کچھ
سیکھوں گا۔ اچھے اور بُرے میں تمیز
کر سکوں گا۔ مجھے خیال ہے۔ کہ میری
جدائی سے آپکو صدمہ ضرور ہوگا۔
لیکن آپ ایک سردارنی ہیں۔ اور
سردارنیاں تو اپنے بچّوں کو ملک اور
قوم پر قربان کرتے ہوئے ماتھے پر

Taj Tahir Foundation

بل نہیں لاتیں۔ میرا تو صرف سفر
کا معاملہ ہے۔ دو چار مہینے میں واپس
آکر آپ کے چرن چوموں گا۔

ماں کو بیٹے کی ان باتوں سے کچھ
حوصلہ ہؤا۔ بولی۔ ہاں بیٹا۔ عہد۔ عہد ہے
اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔
پرسوں تمہاری سالگرہ کا دن ہے
تم صبح سویرے ہی روانہ ہو جانا۔

سالگرہ کا دن بھی آگیا شیر سنگھ
صبح سویرے اُٹھا۔ نہایا دھویا۔ پھر
گوردوارہ میں جاکر واگرو جی کو یاد
کیا۔ اُس کے بعد یوں دعا مانگی۔ واگرو
جی۔ میں آج ایک لمبے سفر کو جا رہا
ہوں۔ اس سفر میں مجھ سے کوئی ایسی
بات نہ ہو جس کی وجہ سے میرے

پتا جی کی روح شرمندہ ہو۔ یا جیسے
میری ماں سُن کر گردن نیچے جُھکا لے
مجھ سے ہر جگہ اور ہر موقع پر
سچائی۔ دلیری۔ اور محبّت ظاہر ہو۔
میں ہر جاندار کے لئے آرام کا باعث
ہوں۔ مجھ سے کسی کو دُکھ نہ پہنچے۔
میری ماتا جی کا دل اس وقت غم سے
پگھل رہا ہے۔ واگرو جی میری ماتا جی کی
چِنتا دُور کر۔ اور انہیں اِس لئے کہ
میں آکر ان کی خدمت کروں۔ زندہ
اور سلامت رکھ۔ شیر سنگھ کا اپنا دل
ماں کی جدائی کے خیال سے پھٹا
جاتا تھا۔ اس دعا کا یہ اثر ہؤا کہ
بے چینی کچھ کم ہوئی۔

گوردوارہ سے سیدھا ماں کے پاس

Taj Tahir Foundation

آیا۔ اور دو زانو ہو کر ان کے چرن
چومے۔ ماں نے اٹھا کر گلے لگایا۔
ماتھے پر بوسہ دیا۔ شیر سنگھ نے سر
اُٹھا کر دیکھا۔ سردی کے موسم میں
دو چار روز بارش ہوتی رہی۔ تم
جس وقت سوئے تو آسمان پر بادل
تھے۔ رات کے وقت بادل پھٹ گئے
مطلع صاف ہو گیا۔ صبح تم جو اُٹھ
کر باہر نکلے تو چاروں طرف تمہیں
دُھواں ہی دُھواں دکھائی دیا۔ تم
سمجھے بادل آسمان سے اُتر کر زمین
پر آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد سُورج
نے گھروں کے پیچھے سے سر نکالا
تمہیں سُورج تو دکھائی نہیں دیا۔
دھوئیں دھوئیں کی چادر کے پیچھے ایک

سنہری طبّاخ نظر آیا۔ شیر سنگھ نے جو
ماں کی آنکھوں کو دیکھا۔ یہ سماں
یاد آگیا۔ اُن چمکتی ہوئی آنکھوں
کے سامنے تازہ پچھے ہوئے آنسوؤں
کی کوہر تھی۔ شیر سنگھ نے پھر ماں
کو دلاسا دیا۔ بولا۔ ماتا جی۔ آپ فکر نہ
کریں۔ میں ابھی واگرو جی سے دُعا
مانگ رہا تھا۔ اور واگرو جی نے میری
دُعا کے جواب میں اِطلاع دی ہے۔
کہ میں بہت جلد صحیح سلامت آپ
سے آ ملوں گا۔

دوستوں کی گفتگو

سعید۔ کیوں سُندر سنگھ اُن دنوں
وائرلس بھی تھی؟

رام لعل۔ سعید تم بھی عجب باتیں کرتے
ہو۔ وائرلس تو علیحدہ رہی۔ تار برقی
تک نہ تھی ۔

وِدیّا۔ بھائی۔ تار برقی کیا۔ پوسٹ آفس
تک نہ تھے۔ کسی کو پیغام بھیجنا ہوتا
تھا۔ تو ہرکارہ۔ گھڑ سوار یا کسی آتے
جاتے کے ہاتھ بھیج دیتا تھا۔ کبھی تو
پہنچ جاتا۔ اور کبھی نہیں۔ اُس زمانہ
میں ریلیں تو تھی نہیں کہ ڈاک کا
تھیلا اُٹھایا۔ ریل گاڑی میں پھینکا اور
کل دِلّی میں پہنچ ڈاک تقسیم ہو گئی۔
تمہارا خط تمہیں مل گیا اور میرا مجھے

رام لعل۔ ہاں۔ بہن۔ اُس زمانے میں
سفر کرنا موت کے مُنہ میں جانا تھا۔
کسی کو لاہور سے امرت سر جانا ہوتا

تو سب عزیز۔ رشتہ دار جمع ہوتے بہوئیں
بچّے ڈاڑھیں مار مار کر روتے۔ اَیسے
معلوم ہوتا گویا میاں سفر کو نہیں جا
رہے بلکہ سورگ کو سدھار رہے ہیں ۔
میں نے ایک کتاب میں ایک مزہ
کا قصہ پڑھا ۔

سعید۔ سُنیں ۔

رام لعل۔ ریل سے پہلے تمہیں معلوم
ہے۔ پہلے آدمی بہلیوں میں سفر کیا
کرتے تھے۔ کسی کو بہت جلد جانا ہُوا
تو یکّے یا ٹانگہ میں سوار ہو لیا۔
ایک دفعہ ایک امیر آدمی کو لاہور سے
جالندھر جانا تھا۔ آپ نے ایک بہت
تیز ٹانگا کرایہ پر لیا۔ جو آٹھ دس
میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاتا تھا۔

Taj Tahir Foundation

آپ کے دوست یار آپ کو رخصت کرنے آئے۔ ان میں ایک حکیم صاحب بھی تھے۔ حکیم جی نے جو سُنا کہ ٹانگہ کی رفتار آٹھ میل فی گھنٹہ ہے۔ تھرّا گئے۔ جھٹ دوست کا ہاتھ پکڑ کر بولے بھئی تمہیں ہمارے سر کی قسم امرتسر دو روز ضرور ٹھہرنا۔ وہ بولے۔ ہاں ایک رات تو گذارنی ہی پڑیگی۔ حکیم جی نے کہا۔ ایک رات سے کچھ نہیں ہوگا۔ کم از کم دو روز آرام کیجئے۔ ورنہ جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ امیر یہ سُن کر گھبرا گیا۔ بولا۔ خدا کے لئے بتاؤ کیا بات ہے۔ حکیم جی نے کہا۔ اگر آپ اِس قدر تیز گئے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ خون کا دَوران تیز ہو جائیگا

اور وہ زور سے دماغ کی طرف جائیگا اور دماغ پھٹ جائیگا۔ پھر خون کی ندی منہ اور ناک کے راستہ بہ نکلیگی اور آپ کی جان خطرہ میں ہوگی امیر نے کہا۔ پھر کیا کروں۔ حکیم جی بولے یا تو پانچ میل فی گھنٹہ سے زیادہ نہ جاؤ۔ ورنہ کم از کم دو روز امرت سر میں قیام کرو۔ امیر نے کوچبان سے کہا۔ کیوں میاں سنتے ہو دیکھنا پانچ میل فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار نہ ہو ؎

حکیم جی سے اگر کوئی اس وقت موٹر یا ریل کا ذکر کرتا اور کہتا۔ حضرت آج سے سو سال بعد ایک ایسی گاڑی ایجاد ہوگی جو ساٹھ ستر

Taj Tahir Foundation

میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جائیگی۔
تو وہ فوراً کہتے۔ تمہارے دماغ میں
فتور ہے اور کاغذ قلم اُٹھا کر سر
کی مالش کے لئے روغن خشخاش تجویز
کرتے ٭

سندر سنگھ۔ ہاں بھئی یہ ریل بڑی
نعمت ہے ٭

وِدیا۔ ہاں بھائی۔ نعمت تو ہے۔ لیکن
انسان کی ہر بنائی ہوئی چیز کی طرح
اس کے فائدے بھی ہیں۔ اور
نقصان بھی ٭

فائدے تو ظاہر ہیں۔ سفر کا آرام
خط پتّر پہنچانے کی سہولت۔ تجارت
اور اُس کے ساتھ صنعت و حرفت
کی ترقی ٭

سعید۔ اور نقصان کیا ہیں ؟

وِدیا۔ ایک تو یہ نقصان بتاتے ہیں
کہ ہندوستان کا اناج لا لا کر دُنیا
کے دوسرے حصّوں میں جا رہا ہے
یہی وجہ ہے کہ یہاں دن بدن
مہنگا ہو رہا ہے۔ دادی امّاں کہا کرتی
ہیں۔ اُن کے دیکھے کی بات ہے کہ
گیہوں یہاں روپیہ کا دو اڑھائی من
ملا کرتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ
روپیہ کا دس سیر تو بڑی بات ہے
چھ سات سے آگے ہی نہیں بڑھتا

سندر سنگھ۔ بہن۔ اس میں شک نہیں
کہ شہر والوں کو اس سے کسی قدر
نقصان ضرور ہُوا ہے۔ لیکن زمینداروں
کے وارے نیارے ہو گئے ہیں۔ پہلے

Taj Tahir Foundation

دس بیس گاؤں کا مالک کھاتا پیتا
تو ضرور تھا۔ لیکن روپیہ پیسہ پاس
ہونا تو علیحدہ رہا۔ ہمیشہ ساہوکار کا
مقروض رہتا تھا۔ اور اب ایک گاؤں
کا مالک بھی اپنا ساہوکارہ چلاتا ہے۔

وِدیا۔ ہاں بھائی بُرا نہ ماننا۔ زمیندار
ساہوکار شاید تو بن گیا۔ لیکن اپنی
تمام خوبیاں۔ مہمان نوازی۔ ہمدردی
مروّت۔ دلی اطمینان۔ دوسرے الفاظ
میں وہ تمام باتیں جو زندگی کو آرام
دہ بناتی ہیں کھو بیٹھا۔

سعید۔ بہن۔ تم سچ کہتی ہو۔ امّاں جان
بھی کہا کرتی ہیں۔ جس دل میں
روپے کی ہوس ہے اُس میں اطمینان
داخل نہیں ہو سکتا۔

وِدیا۔ خیر اسے چھوڑو۔ ریل کا دوسرا
نقصان بیماری ہے۔ تم نے سُنا ہوگا
یہ طاعون جو اب شہر شہر اور گاؤں
گاؤں پھیل گیا ہے۔ جس سے معلوم
ہوتا ہے ہندوستان میں مستقل ڈیرے
ڈال دئے ہیں۔ یہ کہاں سے آیا۔
اوّل اوّل چین سے بمبئی میں آیا۔
پھر اس ریل کی بدولت پھیلتے پھیلتے
تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔

رام لعل۔ لیکن بہن اس میں ریل کا
تو قصور نہیں۔ آخر ریل طاعون لاد
کر ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں
لے جاتی۔ یہ تو اپنی ہی بد احتیاطی
کا نتیجہ ہے۔ ایک جگہ طاعون پڑتی
ہے۔ لوگ گھبرا کر بھاگتے ہیں۔ اب

Taj Tahir Foundation

اگر کھلے میدان میں جا کر جھونپڑیاں
ڈال لیں اور وہاں چند روز رہیں۔
نتیجہ یہ ہو کہ طاعون سے خود بھی بچ
جائیں اور دوسرے بھی بچ رہیں۔ یہ
کیا کرتے ہیں اپنے گاؤں یا شہر میں
پلیگ پڑی یہ وہاں سے بھاگ کر
دوسرے گاؤں یا شہر میں چلے گئے
ساتھ ہی پلیگ کے کیڑے لئے گئے
بس وہاں بھی طاعون پھیلا دی۔ اب
اس میں قصور ریل کا یا اِن پاپیوں
کا۔ جو خود بھی زہر کھاتے ہیں اور
پھر دوسروں کو زبردستی زہر کھلاتے
ہیں ۔

سعید۔ یہ ابتک معلوم نہ ہُوا۔ طاعون
کی وجہ کیا ہے ۔

رام لعل۔ معلوم کیوں نہیں ہُوا۔ میں
کل ہی ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔
اس میں لکھا تھا کہ یہ در اصل
چوہوں کی بیماری ہے۔ سب سے
پہلے طاعون چوہوں کو ہوتا ہے۔ بس
چوہے مرنے لگے سمجھو طاعون آیا۔
اب چوہا مر جاتا ہے۔ تو اس کی جلد
پر جو پِسّو ہوتے ہیں۔ انہیں کھانے
کو نہیں ملتا۔ اگر اور چوہے پاس ہوں
تو وہ اُڑ کر ان پر جا بیٹھتے ہیں۔
لیکن اگر کوئی چوہا پاس نہ ہو تو
پھر انسان کو کاٹتے ہیں۔ اِن کے
کاٹنے سے طاعون کے کیڑے انسان
کے خون میں داخل ہو جاتے ہیں۔
اور وہاں بڑھنے شروع ہوتے ہیں۔

Taj Tahir Foundation

اور ہفتہ بھر میں غریب طاعون کا
شکار ہو جاتا ہے۔

سعید۔ خوب۔ اچھا۔ اس کا عِلاج بھی ہے؟

رام لعل۔ علاج تو ابھی کوئی ٹھیک
معلوم نہیں ہُوا۔ البتہ روک ضرور
ہے۔ وہ یہ کہ اوّل تو چوہوں کو مارو
چوہے نہ ہونگے تو طاعون بھی نہ
ہو گا۔ دوسرے طاعون کا ٹیکہ لگواؤ
گھر میں اگر مرا چوہا دیکھو تو گھر
چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔ چوہے جو ہماری
تمہاری طرح عقل نہیں رکھتے وہ بھی
یہی کرتے ہیں۔ جہاں ایک دو چوہے
مرے باقی بھاگے۔ پھر مکان میں
واپس آؤ تو صاف کرا کر آؤ۔

وِدیّا۔ نہیں بھائی۔ چوہے کو مارنا

پاپ ہے۔

رام لعل۔ ہمن۔ یوں تو ہمارے مذہب
میں کیڑے مکوڑے کو مارنا بھی پاپ
ہے۔ لیکن سانپ کو سبھی مارتے ہیں
سانپ تو خیر بڑی موذی چیز ہے۔
معمولی بھڑ کاٹ لے تو اسے بھی
زندہ نہیں چھوڑتے۔ پھر چوہے پر
اس قدر رحم کیوں۔ لوگ سمجھتے ہیں
چوہا چوہا ہے۔ سانپ تو نہیں۔ لیکن
اگر سوچو تو یہ سانپ سے بھی زیادہ
خطرناک ہے۔ سانپ ایک کو نہیں
دو کو کاٹ لیگا۔ اور چوہا ایک بیمار
پڑا۔ شہر۔ گاؤں۔ بلکہ ملک بھر کو
تباہ کر دیتا ہے۔ بمبئی میں بیماری
ایک ہی چوہے سے شروع ہوئی تھی

Taj Tahir Foundation

اور نتیجہ دیکھ لو کیا ہُوا ہے۔

سعید۔ اچھا۔ بھئی سندر اب کہانی کہو۔

کہانی

سُندر سنگھ۔ (سوچ کر) ہاں میں کہہ رہا تھا۔ کہ شیر سنگھ نے ماں کو دلاسا دیا۔ ماں بولی۔ بیٹا۔ یہ تو واگرو جی سے مجھے بھی امید ہے کہ تم صحیح سلامت واپس آ کر میری آنکھوں کو روشن کرو گے۔ لیکن تم نے کسی بیمار کو دیکھا ہو گا۔ کمرہ دوائی خانہ ہُوا ہے۔ حکیم جی تاکید کرتے ہیں۔ کہ اسے صاف رکھو۔ چنانچہ تیمار داروں نے خوشی سب اُٹھا دیا ہے۔ صرف بیمار کا پلنگ ہے۔ ایک کرسی ایک

تپائی۔ الماری میں دوائی کی شیشیاں اور بس۔ حکیم جی روز آتے ہیں۔ یقین دلاتے کہ بیماری عارضی ہے۔ بیمار کو بھی یقین ہے۔ کہ چند روز میں تندرست ہو جاؤنگا۔ لیکن جب تک صحت یاب نہیں ہوتا چار پائی سے نہیں اُٹھ سکتا۔ یہی حال میرا ہے جانتی ہوں تمہاری جدائی چند روزہ ہو گی۔ لیکن جب تک تم آنکھوں سے اوجھل رہو گے دل بیٹھا رہیگا۔ اچھا بیٹا۔ سدھارو۔ تمہیں واگرو کے سپرد کیا"

شیر سنگھ کھڑا ہو گیا۔ ماں نے پھر گلے سے لگایا۔ ڈیوڑھی تک چھوڑنے آئی۔ شیر سنگھ باہر جانے لگا۔ تو ماں نے کہا۔ بیٹا ٹھہرو۔ شیر سنگھ ٹھہر

Taj Tahir Foundation

گیا۔ ماں اندر گئی اور تین سیب اُٹھا
لائی۔ سیب اُس نے شبیر سنگھ کو دئے اور
کہا۔ بیٹا تم سفر کو جا رہے ہو۔ راستہ
میں بیسیوں قسم کے لوگ ملیں گے۔
جو محبّت اور دوستی کا دعوے کرینگے
لیکن تمہیں یاد ہوگا۔ دو تین سال
ہوئے تمہیں بادام کھانے کا بہت شوق
تھا۔ روز صبح باداموں کی گریاں نکلوا
کر کھایا کرتے تھے۔ تم ایک ایک
گری منہ میں ڈال کر چبایا کرتے۔
ایک گری ڈالی وہ میٹھی۔ دوسری وہ
بھی میٹھی۔ تیسری وہ بھی میٹھی۔ چوتھی
ڈالی چبائی اور تم نے منہ بنایا۔ پھر
تھو تھو کر کے پھینک دی۔ کیوں۔
وہ کڑوی زہر تھی۔ اب دیکھنے کو تو

Taj Tahir Foundation

سبھی گڑیاں ایک سی تھیں لیکن اصل مختلف۔ یہی حال انسانوں کا ہے۔ دیکھنے اور باتیں کرنے کو تو سبھی انسان شریف نظر آتے ہیں۔ لیکن برتو تو میٹھے کم اور کڑوے زیادہ۔ اب تمہیں میں میٹھے اور کڑوے معلوم کرنے کی سہل ترکیب بتاتی ہوں۔ جب بھی کوئی نیا آدمی ملے جو دوستی کا دعوے کرے تو ایک سیب لینا اُسے دو چھوٹے بڑے حِصّوں میں کاٹ کر اُس کے سامنے رکھ دینا۔ اگر بڑا حِصّہ اُٹھائے تو سمجھ لینا خود غرض ہے۔ دوستی کے لائق نہیں۔ اگر چھوٹا حِصّہ اُٹھائے تو جاننا شریف اور قابل اعتبار ہے۔ پھر اُسے دوست سمجھنا اور اُس

Taj Tahir Foundation

سے دوست کا سا سلوک کرنا۔

شیر سنگھ بولا۔ ماتا جی یہ بڑی اچھی نصیحت ہے۔ میں اس پر ضرور عمل کرونگا۔ یہ کہ کر شیر سنگھ نے ماں کے چرنوں کو ہاتھ لگایا اور اُس سے رخصت ہؤا۔ پنڈی سے نکل یہ شیر شاہی سڑک پر ہو لیا۔

دوستوں کی گفتگو

سعید۔ یہ شیر شاہی سڑک کونسی سڑک ہے؟

وِدیا۔ سعید تم نے ابھی اپنے مُلک کی تاریخ نہیں پڑھی۔ شیر شاہ ہندوستان کا ایک بہت بڑا بادشاہ ہؤا ہے۔ تاریخوں میں تو اس کا

بہت کم ذکر لکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں انصاف اور دانشمندی میں یہ اکبر بادشاہ سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ بڑھاپے میں اسے سلطنت ملی اور کل پانچ برس حکومت کی مگر اس پانچ برس میں وہ کیا جو اَوروں نے پچاس برس کی حکومت میں نہیں کیا ایک ادنےٰ سی بات یہ ہے کہ پشاور سے لے کر کلکتہ تک ایک بڑی سڑک بنوائی جو اب تک شیر شاہی سڑک کہلاتی ہے۔ اس پر جگہ جگہ سرائیں اور کنوئیں بنوائے جہاں مُسافروں کو ہندو ہوں مُسلمان صبح شام مفت کھانا ملتا تھا۔

سعید۔ خوب۔ اچھا بہن تم تو ہم سے

Taj Tahir Foundation

زیادہ پڑھی لکھی ہو۔ یہ تو بتاؤ۔
ہندو مسلمان اب جھگڑتے کس بات
پر ہیں۔ ابّا جی کہا کرتے ہیں۔ پاگل
ہو گئے ہیں۔ انگریزی تعلیم نے باولا
کر دیا ہے۔ اس لئے ایک دوسرے
کو کاٹنے کو دوڑتے ہیں ؁

رام لعل۔ تم نے کبھی کسی نانبائی کی
دوکان کے سامنے کتّوں کو بیٹھے دیکھا
ہوگا۔ ایک گنوار۔ سر پر میلی پگڑی۔
کندھے پر کھدّر کی چادر۔ مین گاڑھے
کا گھنڈی دار کرتہ۔ ٹانگوں میں پیوند
لگا تہبند۔ پاؤں میں پھٹا ہوا گنواری
جوتا۔ نانبائی کی دوکان میں بیٹھا تنور
کی دو موٹی موٹی روٹیاں ہاتھ میں
لئے شوربے کا کٹورا سامنے رکھے

بڑے بڑے نوالے توڑ شوربے میں
ایسے غوطے دیتا ہے۔ جیسے دھوبی پرانے
کپڑوں کو ندی میں۔ پھر منہ میں ڈالتا
ہے۔ کُتّے غریب حسرت سے اس کی
طرف دیکھتے ہیں۔ یہ نوالے پر نوالہ
نگلتا ہے۔ روٹیاں ختم ہوئیں تو بوٹیوں
کی باری آئی۔ وہ بھی منہ میں رکھیں
اور غائب۔ اب صرف ہڈّی رہ گئی
ہے۔ اُسے چوسنے لگا۔ آخر جب ہڈی
شیشہ کی طرح چمکنے لگی تو۔ تو اس نے
نہایت افسوس کے ساتھ دوکان سے
باہر پھینکی۔ کتّے اس پر لپکے۔ اور
اب ان میں گھورا گھاری اور غرّا
غرّی شروع ہوئی۔ یہی حال آجکل
کے ہندو مسلمانوں کا ہے۔ لڑتے

Taj Tahir Foundation

جھگڑتے کس بات پر ہیں۔ ملازمت
کی چوسی ہوئی ہڈیوں پر۔

سعید۔ لعنت ہے اس سمجھ پر۔ اچھا
سُندر تم کہانی کہو۔

کہانی

سُندر۔ ہاں تو شیر سنگھ شیر شاہی سڑک
پر ہو لیا۔ دو تین روز تو اسے کوئی
راہگیر نہ ملا۔ جب گوجر خاں کے قریب
پہنچا۔ تو اسے ایک خوش پوش نوجوان
گھوڑے پر سوار جاتا دکھائی دیا۔
یہ انسان کی آواز کو ترس گیا تھا۔
گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے پاس
پہنچا اور اُسے واگرو جی کا خالصہ واگرو
جی کی فتح کہ کر سلام کیا۔ اُس نے

بھی گھوڑا ٹھہرا لیا۔ پہلے تو اُس نے
اس کی طرف شک سے دیکھا۔ خیال
کیا شاید کوئی لٹیرا یا ڈاکو ہے لیکن
جب شیر سنگھ کا مُسکراتا چہرہ دیکھا۔
تو یہ شک دور ہو گیا۔ پوچھا۔ تم
کون ہو؟

شیر سنگھ نے کہا میں گرو کا چاکر
ہوں۔ میری ماں نے عہد کیا تھا
کہ جب میں اٹھارہ سال کا ہوں
تو دربار صاحب کی زیارت کو اکیلا
جاؤں۔ سو میں اُس عہد کو پورا
کرنے کے لئے امرت سر جا رہا
ہوں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ
کون ہیں؟

جوان۔ میرا نام دلدار خاں ہے اور

Taj Tahir Foundation

ہیں شاہی فوج میں شامل ہونے کو لاہور جا رہا ہوں۔ لاہور تک میرا تمہارا ساتھ رہیگا۔ شیر سنگھ بولا۔ خوشی سے کئی روز بعد ایک ہم جنس سے ملنے کا اتفاق ہؤا تھا۔ دل چاہتا تھا۔ جی کھول کر باتیں کرے۔ لیکن ماں کی نصیحت یاد آگئی۔ رک گیا۔ سوچا پہلے اسے آزماؤ۔ پھر یارانہ کی تہ جماؤ۔

گوجر خاں پہنچ کر دونوں سرائے میں داخل ہوئے۔ شیر سنگھ بولا۔ میں بہت بھوکا ہوں۔ آؤ کچھ کھا لیں پھر آگے چلیں۔ چنانچہ اُس نے سرائے والے سے بھوجن کے لئے کہا۔ سرائے والا دونوں کے لئے

علیحدہ علیحدہ تھال میں بھوجن تیار کر لایا۔ شیر سنگھ نے اُسے انعام دیا۔ دونوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد شیر سنگھ نے سیب نکال کر دو حِصّے کئے۔ ایک بڑا ایک چھوٹا۔ دونوں حِصّے دلدار خاں کے سامنے رکھّے اور کہا جونسا حِصّہ آپ چاہیں اُٹھا لیں۔ دلدار خاں نے موچھوں پر تاؤ دیا پھر بڑا حِصّہ اُٹھا مُنہ کی نذر کیا۔ شیر سنگھ نے چھوٹا حِصّہ اُٹھایا۔ اُسے چھیلا پھانکیں کیں اور پھر مزہ سے کھایا۔ اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ یہ شخص دوستی کے لائق نہیں۔ اور اس سے علیحدہ ہونا چاہیئے۔ تھوڑی

دیر بعد شیر سنگھ نے کہا میں کچھ دیر یہیں ٹھہروں گا۔ دلدار خاں بولا بھئی۔ تم سے محبّت تو ہو گئی ہے۔ لیکن اگر ایک روز یہاں رہ گیا۔ تو منزل کھوٹی ہوگی۔ اِس لئے رخصت چاہتا ہوں۔ شیر سنگھ نے کہا۔ اچھّا تو آپ جائیں۔ دلدار خاں گھوڑے پر سوار ہو رخصت ہُوا۔

دلدار خاں کے جانے کے دو چار گھنٹہ بعد شیر سنگھ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو آگے چلدیا۔ اب پھر کئی روز تک اسے کوئی مُسافر نہ مِلا جس سے باتیں کرکے یہ جی بہلاتا۔ آخر خدا خدا کرکے اسے ایک مُسافر کی صورت دکھائی دی۔ یہ گھوڑا دَوڑا

کر اُس کے پاس پہنچا۔ مُسافر اسے دیکھ کر گھبرایا۔ ڈاکو خیال کرکے بھاگنے کی فکر ہوئی۔ شیر سنگھ نے گھوڑے سے کود کر ہاتھ پکڑ لیا۔ مُسافر جھٹ پاؤں پر گر پڑا۔ اور بولا۔ مہاراج میرے پاس صرف یہ سونے کی انگوٹھی ہے۔ یہ لیجئے اور مجھے زندہ چھوڑ دیجئے۔ شیر سنگھ یہ سُن کر مُسکرایا۔ بولا۔ لالہ جی۔ میں ڈاکو نہیں آپ کی طرح مُسافر ہوں۔ لالہ جی یہ سُن کر کھڑے ہو گئے اور بولے اچھّا کہاں جا رہے ہو؟

شیر سنگھ نے کہا۔ امرت سر دربار صاحب کی زیارت کو۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟

Taj Tahir Foundation

لالہ جی۔ میں بھی امرت سر جا رہا ہوں۔ ایک ٹٹو بھاڑے کیا تھا۔ بھاڑا زیادہ تھا۔ اس لئے پچھلے گاؤں میں چھوڑ دیا۔ اب جہلم شہر میں دوسرا ٹٹو لونگا ٭

شیر سنگھ یہ سُن کر مسکرایا۔ بولا۔ آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیں لالہ بولے۔ آؤ تو پھر دونوں سوار ہو لیں۔ شیر سنگھ نے کہا۔ میں ضرورت سے زیادہ اپنے گھوڑے کو تکلیف نہیں دیتا۔ آپ تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ سوار ہو لیں۔ میں تھوڑی دُور پیدل چلونگا + لالہ جی گھوڑے کے قریب گئے۔ اُس نے کنوتیاں کھڑی کیں۔ تھوڑا سا اُچھلا

لالہ جی گھبرائے۔ بولے۔ نہیں چلو دونو پیدل ہی چلیں گے۔ شیر سنگھ کو لالہ کی یہ بات پسند آئی۔ سوچا یہ بڑے غریب طبیعت ہیں۔ ان کا ساتھ اچھا رہیگا ٭

تھوڑی دیر میں یہ جہلم شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کے دروازہ کے پاس ہی ایک سرائے تھی۔ شیر سنگھ بولا۔ آؤ لالہ جی کچھ کھا لیں۔ لالہ نے کہا۔ میرے پاس تو دام نہیں۔ شیر سنگھ نے کہا پروا نہیں۔ میں کھانے کے دام دونگا۔ لالہ جی بولے۔ اچھا۔ شیر سنگھ نے دو آدمیوں کے لئے بھوجن کا حکم دیا۔ اور خود گھوڑے کو ملنے میں مصروف ہو گیا۔ سرائے والا دو تھالیوں

Taj Tahir Foundation

میں بھوجن لے آیا۔ شیر سنگھ اور لالہ
جی نے مزہ سے کھایا۔ جب کھانا
کھا چکے تو شیر سنگھ نے ایک سیب
نکالا۔ اُس کے دو حِصّے کئے ایک بڑا
ایک چھوٹا۔ دونوں لالہ جی کے سامنے
رکھ کر کہا۔ آپ کو جو حِصّہ پسند ہو
آپ لے لیں۔ لالہ جی نے پہلے شیر سنگھ
کی طرف دیکھا۔ پھر اِدھر اُدھر نظر
کی۔ اور آخر بڑا ٹکڑا اُٹھا لیا۔ اور
مُسکرا کر کہا۔ مہاراج میں تو جہلم کی
سیر کرونگا۔ آپ کی کیا صلاح ہے
لالہ جی بولے۔ سردار جی۔ میری تو
دوکان کا ہرج ہو رہا ہے میں تو
سیر نہیں کر سکتا۔ پھر یہاں رہا تو
خرچ ہوگا۔ میں تو ٹٹّو کی تلاش میں

جاتا ہوں۔ ٹٹّو ملا۔ اور میں چلدیا۔
شیر سنگھ نے کہا اچھّا تو سدھاریئے
لالہ جی سرائے سے باہر نکلے۔ شیر سنگھ
گھوڑے کو سرائے والے کے سپرد
کر شہر کی سیر کو نکلا۔ شہر میں تو
کوئی دیکھنے کی چیز نہ تھی۔ یہ دریا
پر آیا۔ وہاں بڑی بہار تھی۔ دریا
میں کشتیاں چل رہی تھیں۔ جگہ
جگہ تیراک تیر رہے تھے۔ دُور فاصلہ
پر مرغابیوں کا ایک غول پانی پر
سینے جمائے پنجوں کے چپّو بنائے
تیر رہا تھا۔ مگر اس صفائی سے کہ
کیا مجال چپّو کی آواز آ جائے۔ یا
تیراک کی حرکت سے معلوم ہو۔ کہ
چپّو چل رہے ہیں۔ بس ایسے معلوم

Taj Tahir Foundation

ہوتا تھا جیسے کسی نے کاغذ کی مرغابیاں
بنا کر پانی کی سطح پر رکھ دی ہیں
ان میں سے بعض بار بار سر کو پانی
میں ڈبوتیں۔ اور پھر نکال کر اِس طرح
ہلاتیں جیسے کوئی غوطہ خور پانی میں سر
نکال کر ہلاتا ہے۔ ایک تیراک تیرتے
تیرتے ان کے پاس پہنچ گیا۔ سب
کی سب گھبرا کر اُڑیں۔ پانی پر بیٹھی
کیسی خوبصورت معلوم ہوتی تھیں۔
اُڑنے میں تو بھدّی اور بدنما معلوم
دکھائی دینے لگیں۔ بس ایسے معلوم ہُوا
دو گردن ڈالے پکھوّے اُڑ رہے ہیں
شیر سنگھ یہ سب تماشا دیکھ کر بہت
خوش ہُوا۔ اس نے بھی کپڑے اُتار
کر دریا میں اشنان کیا۔ شام کے

وقت سرائے میں واپس آیا۔ رات تو
وہیں گذاری۔ دوسرے روز صبح سویرے
گھوڑے پر سوار ہو۔ روانہ ہو گیا۔
چند روز پھر اسی طرح اکیلے سفر کرتا
رہا۔ اب تو تنہائی نے نہایت پریشان
کیا۔ ہر وقت جی چاہتا تھا۔ کوئی ساتھی
ہو۔ تو اس سے باتیں کر کے جی بہلائے
ایک روز یہ صبح سویرے اُٹھ کر
روانہ ہُوا۔ دل نہایت اوداس تھا۔
جی چاہتا تھا۔ ڈاڑھیں مار کر روئے
فوراً ماں کا خیال آیا۔ بولا ماتا جی دُعا
کیجئے کوئی سچّا دوست مل جائے۔ مجھے
کوئی ایسا دوست مل گیا تو اُسے بھائی
سے بھی زیادہ عزیز رکھوں گا +
واگرو کا کرنا کیا ہُوا۔ تھوڑی ہی

Taj Tahir Foundation

دُور گیا ہوگا۔ کہ اسے ایک شخص پھٹے
پُرانے کپڑے۔ سڑک پر لنگڑا کر چلتا
دکھائی دیا۔ اسے اس کی یہ حالت
دیکھ کر رحم آیا۔ گھوڑے کو ایڑ لگا
کر اُس کے پاس پہنچا۔ اور بولا۔
واگرو جی کا خالصہ۔ مسافر نے سر اُٹھا
کر اس کی طرف دیکھا۔ بس کوئی اُنیس
بیس برس کا جوان تھا۔ شیر سنگھ کا
مُسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ بھی مُسکرا دیا۔
شیر سنگھ نے پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ بولا
میں ایک غریب زمیندار ہوں۔ میرا
نام اسد خاں ہے۔ سیالکوٹ کا رہنے
والا ہوں۔ گرو گوبند سنگھ جی کی بادشاہ
کے گورنر سے لڑائی ہے۔ ہمارے
خاندان کو گرو جی سے محبّت ہے۔

Taj Tahir Foundation

چنانچہ میرا باپ۔ چچا۔ دو بھائی۔ اور
میں گرو جی کی فوج میں شامل ہو گئے
باپ چچا اور بھائی تو لڑائی میں مارے
گئے۔ میں زخمی ہُوا۔ ایک سکھ سردار
مجھے اُٹھا کر وزیر آباد لے آیا۔ اور میرا
علاج کیا۔ جسم کے زخم تو اچھّے ہو گئے
لیکن دل کے داغ اچھّے نہیں ہوئے
اب نہ کوئی یار ہے۔ نہ مدد گار۔ سردار
نے ہر طرح سے خاطر کی۔ لیکن چار پائی
پر پڑے پڑے طبیعت گھبرا گئی۔ چلنے
پھرنے کے لائق ہُوا تو میں سردار سے
رخصت چاہی۔ انہوں نے اصرار کیا کہ
میں چند روز اَور ٹھہروں لیکن میں
نے انہیں زیادہ تکلیف دینا مناسب
نہ سمجھا۔ اس لئے روانہ ہو گیا۔ چند

Taj Tahir Foundation

میل تو اچھی طرح چلا آیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ زخم ابھی پوری طرح اچھا نہیں ہؤا۔ اِس لئے پھر کولے میں درد سی ہو رہی ہے ۔

شیر سنگھ یہ قِصّہ سُن کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ بولا۔ آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیں میں پیدل چلوں گا۔ اسد خاں بولا۔ نہیں مَیں اپنے آرام کی خاطر دوسرے کو تکلیف نہیں دے سکتا ۔

شیر سنگھ نے کہا نہیں مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ سامنے شہر دکھائی دیتا ہے۔ میں دو میل چل لوں گا تو ورزش ہو جائیگی۔ اسد خاں شیر سنگھ کے مجبور کرنے سے گھوڑے پر سوار

ہو لیا۔ دونوں شہر میں داخل ہوئے شیر سنگھ نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے اسد خاں بولا۔ گجرات۔ یہیں سے بادشاہ کشمیر جایا کرتے ہیں ۔

دوستوں کی گُفتگو

سعید۔ یہ کشمیر کے بھی بیسیوں ہی راستے ہیں۔ ایک تو پنڈی سے مری کے راستہ۔ اس راستہ سے دو سال ہوئے ابّا جی کے ساتھ کشمیر گیا تھا۔ کیا خوبصورت سڑک ہے۔ ایک طرف پہاڑ۔ دوسری طرف جہلم دریا۔ کوہالے سے جو شروع ہوتا ہے۔ تو پھر کشمیر تک کوہالہ کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ پھر کہتے ہیں جموّں

Taj Tahir Foundation

سے بھی ایک سیدھا راستہ ہے۔ مہاراج اسی راستہ کشمیر جاتے ہیں۔ پھر یہ گجرات کا راستہ۔ چچا جان ڈلہوزی کے راستہ چمبہ ہوتے ہوئے کشمیر گئے تھے۔ کہتے تھے راستہ میں وہ پانگی پہاڑ سے گذرے وہاں بارہ مہینہ برف پڑی رہتی ہے۔ عجب سماں تھا۔

رام لعل۔ کیوں سعید کشمیر ایسا ہی خوب صورت ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں؟

سعید۔ ہاں۔ دیکھ کر خدا یاد آتا ہے چاروں طرف پہاڑ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ بیچ میں دریا بہ رہا ہے۔ جگہ جگہ پہاڑوں سے چشمے اُبل

رہے ہیں۔ پھر پہاڑی نالے۔ جس وقت پتھروں پر سے اُچھلتے کودتے آتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے سفید ہاتھی دانت کے بڑے بڑے گینڈ لڑھک رہے ہیں۔ خدا کا بنایا ہُوا کشمیر تو واقعی جنّت کا نمونہ ہے۔ لیکن انسان کا بنایا ہُوا سرینگر اور اسلام آباد تم نے دیکھا ہوگا۔ مائیں خوبصورت بچّوں کو نذرِ بد سے بچانے کے لئے اُن کے ماتھے پر سیاہ داغ لگا دیتی ہیں۔ یا ایک بنیا جب ہزاروں روپے لگا کر ایک مکان بناتا ہے۔ تو اس خوف سے کہ اسے نذر نہ لگ جائے۔ ایک پرانی ہنڈیا لے کر اُس کے تلے

Taj Tahir Foundation

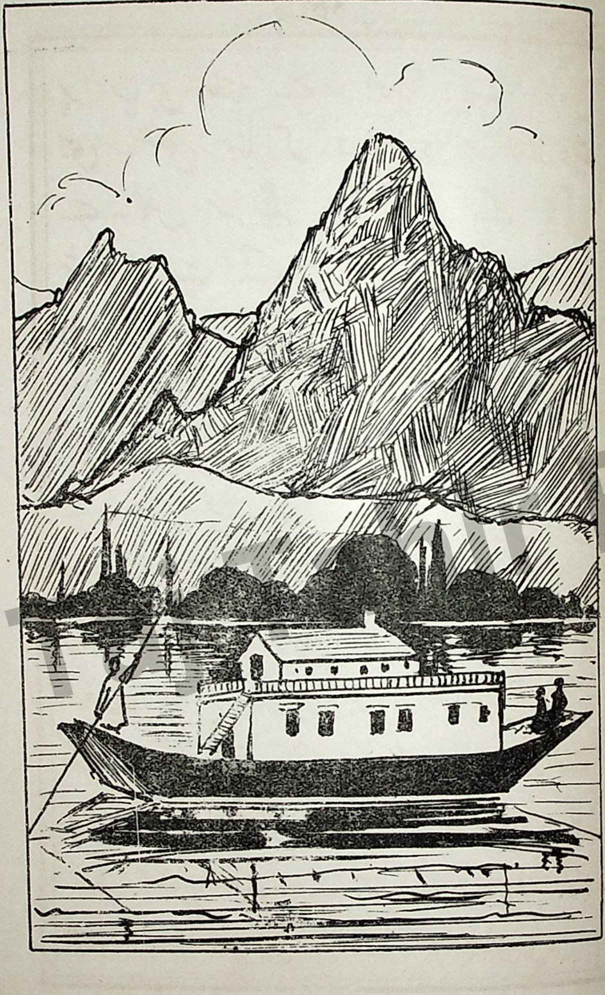

پر سیاہی ملتا ہے۔ اور ایک ڈراونی
سی شکل بنا کر دروازہ پر لٹکا دیتا
ہے۔ بس سرینگر اور کشمیر کے باقی
شہر قدرت کے خوبصورت چہرہ پر
نذر بٹّو ہیں۔ اوہو ایسے گندے کہ
خدا کی پناہ۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز
لوگ مکانوں میں نہیں رہتے۔ بلکہ
دریا میں کشتی گھر بہ رہے ہیں اِن
میں رہتے ہیں۔

رام لعل۔ یہ کشتی گھر کیا ہیں؟

سعید۔ بس بڑی بڑی کشتیوں میں
کمرے بنا لئے ہیں۔ وہیں دن رات
رہتے ہیں۔ کہیں جانا ہوتا ہے۔ تو
خود نہیں جاتے۔ کشتی کو چلا کر
لے جاتے ہیں۔

Foundation

رام لعل۔ واہ یہ تو مزہ کی زندگی ہے لیکن سعید کہتے ہیں۔ کشمیر کے باغات دیکھنے لائق ہیں۔

سعید۔ ہاں۔ میں نے شالا مار اور نسیم باغ دیکھے تھے۔ واقعی بہت خوبصورت ہیں۔ پہاڑ میں سے کاٹ کر تختے بنائے ہیں۔ لاہور کا شالا مار کشمیر ہی کے شالا مار کی نقل ہے لاہوری باغ کے تالابوں میں شہر کا گدلا پانی آتا ہے۔ اور کشمیر کے باغوں میں چشموں کی پگلی ہوئی چاندی بس خود ہی سمجھ لو۔ کیا فرق ہوگا۔ لیکن سرینگر میں سب سے خوبصورت چیز ڈل جھیل ہے۔ یہ دیکھنے کے لائق ہے۔ اس کی سطح پر رکھلے ہوئے

Taj Tahir Foundation

کنول بالکل ایسے معلوم ہوتے ہیں۔
جیسے سبز مخمل میں سلمے ستارے کے
پھول ۔

ودیا۔ سعید۔ لوگ کہتے ہیں۔ کشمیری
بہت غریب ہیں ۔

سعید۔ ہاں۔ بہن کہنے کی کیا بات
ہے۔ ہمارے ہاں جو کشمیری مزدور
آتے ہیں اور یہاں سے دو چار
پیسے کما کر لے جاتے ہیں۔ وہ سمجھو
کشمیر کے رئیسوں میں ہیں۔ عام
لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ عمر
بھر میں دو کرتے بناتے ہیں۔ ایک
تو بچپن میں اور دوسرا جوانی میں۔
اس دوسرے کرتے میں مرنے تلک
صرف تاگے وہ جاتے ہیں۔ جو مرنے

کے بعد جسم پر کفن کی جگہ لپیٹ
دئے جاتے ہیں ۔

وِدیا۔ سعید۔ تم مبالغہ کر رہے ہو۔
لیکن یہ تو میں نے بھی سُنا ہے۔
کہ وہاں کے لوگوں کی حالت بہت
قابل رحم ہے ۔

سعید۔ ہاں۔ بہت قابل رحم۔ ابّا جی
کہتے تھے۔ نئے راجہ کو ان غریبوں
کا بہت خیال ہے۔ امید ہے اگر توجہ
کی تو ان کے دن پھر جائینگے ۔

وِدیا۔ اچھّا سُندر کہانی کہو ۔

کہانی

سُندر۔ بہن میں کہاں ؟

وِدیا۔ (سوچ کر) تم کہ رہے تھے۔ کہ

Taj Tahir Foundation

شیر سنگھ اور اسد خاں گجرات شہر میں داخل ہوئے۔ شیر سنگھ نے سوچا کہ آدمی تو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ماتا جی کہتی تھیں لوگوں کی شکل اور باتوں پر نہ جانا انہیں پہلے آزمانا پھر یار بنانا۔ چلو پہلے میاں اسد خاں کو آزما لیں۔ یہ سوچ کر بولا۔ اسد خاں مجھے تو بھوک لگی ہے۔ چلو سرائے میں چل کر کچھ کھا لیں۔ اسد خاں بولا چلو۔

دونوں سرائے میں آئے۔ کھانا کھایا شیر سنگھ دام دینے لگا۔ اسد خاں نے جھٹ روپیہ نکال بھٹیارے کے حوالے کیا۔ شیر سنگھ نے سیب نکال کر دو ٹکڑے کئے۔ اسی طرح

ایک بڑا ایک چھوٹا۔ پھر دونو اسد خاں کے سامنے رکھ کر بولا۔ لیجئے کھائیے اسد خاں نے کہا شکریہ۔ اور چھوٹا ٹکڑا اُٹھا کر چھیلنے لگا۔ شیر سنگھ نے اُٹھ کر اسد خاں کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور بولا۔ واگرو کا شکر ہے مجھے آخر کار ایک سچّا دوست ملا۔ اسد خاں نے حیران ہو کر پوچھا بات کیا ہے۔ شیر سنگھ نے ماں کی نصیحت اور دوست کی آزمائش کا ذکر کیا۔ اسد خاں سُن کر ہنسا۔ اور بولا واہ۔ یہ خوب آزمائش ہے۔ میاں معمولی شرافت بھی یہ چاہتی ہے کہ انسان ضرورت سے زیادہ لالچی اور طمعی نہ ہو۔ خیر تم مجھے دوست سمجھے

Taj Tahir Foundation

ہو۔ تو میں بھی تمہیں بھائی خیال
کرتا ہوں۔ اور بھائی ہی کی طرح
تم سے برتوں گا۔ اچھا بتاؤ۔ اب
کدھر کا اِرادہ ہے۔ شیر سنگھ نے
کہا۔ میں امرت سر دربار صاحب کی
زیارت کو جا رہا ہوں۔ تم بھی ساتھ
چلو۔ اسد خاں کچھ سوچ کر بولا۔
میں بھی بے یار مددگار ہوں۔ چلو
تمہارے ساتھ میں بھی گرو جی کے
مسکن کی زیارت کر آؤنگا۔

شیر سنگھ یہ سُن کر بہت ہی خوش
ہُوا۔ بولا۔ آج سے ہم بھائی بھائی۔
واگرو نے جو کچھ مجھے دیا ہے۔ وہ
تمہارا اور جو تمہارے پاس ہے۔ وہ
میرا۔ میری تم سے صرف یہ اِچھیا

ہے کہ مجھے ماتا جی کا عہد پورا کرنا
ہے۔ اگر راستہ میں مر جاؤں تو تم میری
لاش کو دربار صاحب ضرور لے جانا
اور وہاں تالاب میں اشنان کرانا۔
اسد خاں بولا۔ خدا ایسا نہ کرے لیکن
کوئی ویسی بات ہوگئی تو میں ضرور
تمہاری خواہش پوری کرونگا۔ اور بھائی
اگر میں مر جاؤں تو تم بھی مجھے امرتسر
لے جا کر دفن کرنا۔ ایک تو گرو کا
گھر ہے۔ پھر میری والدہ وہیں دفن
ہیں اور میری خواہش ہے کہ مر کر
اپنی ماں کے قدموں میں لیٹوں۔

چنانچہ ایک دن گجرات میں گذارا
شیر سنگھ نے ایک گھوڑا اسد خاں
کے لئے مول لیا۔ اور دوسرے

Taj Tahir Foundation

روز صبح سویرے دونوں گھوڑوں پر سوار ہو چل دئے۔ وزیر آباد اور گوجرانوالہ کے شہر دیکھتے ہوئے۔ کئی روز بعد لاہور پہنچے۔ دونوں کی صلاح ہوئی کہ لاہور کچھ روز ٹھہر کر یہاں کی سیر کیجئے۔ اُن دنوں شالا مار باغ اور جہانگیر کا مقبرہ پبلک سیر گاہیں نہ تھیں۔ صرف درباری وہاں جا سکتے تھے۔ اس لئے وہ نہ دیکھ سکے۔ نہ ہی اُن دنوں ٹھنڈی سڑک تھی۔ نہ چڑیا خانہ۔ نہ عجائب گھر۔ شہر کے گرد دیوار تھی اور اس سے باہر قبرستان اور ہو کا میدان۔ البتہ شہر میں بڑی رونق تھی۔ یہ دن بھر شہر میں گھومتے ایک روز اسی طرح گھوم رہے تھے

کہ گورنر کی سواری اُدھر سے گذری۔ گورنر ہاتھی پر سوار تھا۔ چوبدار ہٹو بچو پکارتے چلے آتے تھے۔ اتفاق سے ایک تین چار سال کا بچہّ ہاتھی کے سامنے آگیا۔ قریب تھا کہ ہاتھی اُس پر پاؤں رکھ دے یا سونڈ سے اُٹھا کر ایک طرف پھینک دے۔ شیر سنگھ اور اسد خاں پاس ہی کھڑے تھے۔ شیر سنگھ نے لپک کر بچےّ کو اُٹھا لیا ہاتھی وان نے ہاتھی روک لیا۔ گورنر شیر سنگھ کو سامنے بُلا کر اس کی بہادری کی تعریف کی۔ شیر سنگھ نے سر جھکا لیا۔ اور کہا۔ جناب یہ تو انسان کا معمولی فرض ہے۔ بھائی اسد خاں بھی میرے ساتھ ہی جھپٹے تھے۔ میں

Taj Tahir Foundation

ایک لمحہ پہلے پہنچ گیا۔

گورنر کے ساتھ اس کا دیوان۔ یا وزیر تھا۔ دیوان کی ایک خوبصورت بیٹی تھی۔ وہ جوان ہو گئی تھی۔ اور دیوان کو فکر تھی کہ اُسے کسی اچھے نوجوان کے ساتھ بیاہے۔ بڑے بڑے امیر درخواست کر چکے تھے۔ مگر دیوان کو کوئی بھی پسند نہ آتا تھا۔ شیر سنگھ کی صورت شکل۔ اس کی بہادری اور پھر سیدھی سادی باتیں اُسے بہت ہی اچھی لگیں۔ اور اُس نے وہیں فیصلہ کر لیا کہ اسی کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرونگا۔ چنانچہ اُس نے شیر سنگھ سے کہا۔ لڑکے تم آج کا کھانا میرے ساتھ کھانا۔ شیر سنگھ بولا۔ جناب

میں اس عزّت کے لئے ممنون ہوں۔ لیکن میرا بھائی اسد خاں میرے ساتھ ہے۔ میں اس کے بغیر کہیں نہیں جا سکتا۔

دیوان۔ کیا تم مُسلمان ہو؟

شیر سنگھ۔ نہیں میں سکھ ہوں۔

دیوان۔ میں تمہاری صورت سے یہی سمجھا تھا۔ تو پھر یہ مُسلمان تمہارا بھائی کیسے ہو سکتا ہے؟

شیر سنگھ۔ یہ جرأت۔ سچّائی اور وفا کا نمونہ ہیں۔ یہی باتیں میں نے بھی اپنی ماں سے سیکھی ہیں۔ اِس لئے یہ اور میں بھائی ہیں۔ رہا ان کا مُسلمان ہونا اور میرا سکھ۔ سو یہ عقیدہ کی بات ہے۔ اس کا ہمارے آپس کے تعلق

Taj Tahir Foundation

سے کوئی واسطہ نہیں۔ آپ خود ہی بتائیں۔ کیا ایک اچھا آدمی اور ایک بُرا آدمی عقیدہ کے لحاظ سے چاہے وہ سکھ ہوں یا مُسلمان بھائی بھائی ہو سکتے ہیں؟

گورنر۔ (سوچ کر) ہاں یہ تم صحیح کہتے ہو۔ اچھا تو تم دونوں آج رات کا کھانا میرے ساتھ میری حویلی میں کھانا۔ شیر سنگھ اور اسد خاں دونوں بولے۔ شکریہ۔ دیوان نے اپنی حویلی کا پتہ بتایا اور چلدیا۔ شیر سنگھ اور اسد خاں وعدہ کے مطابق شام کے وقت قلعہ کے دروازہ پر پہنچے۔ دیوان نے پہلے ہی نوکروں کو حکم دے رکھا تھا۔ اس لئے چوکیدار نے انہیں نہ

انجن بنوائے۔ اُن دنوں لوگ گاڑیوں یا گھوڑوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ ایک منچلے سوداگر نے یہ تجویز کی کہ دو مقامات کے درمیان ریل کی پٹڑی لگا کر اُس پر گھوڑوں کی ٹریم چلائے سٹیفن نے جو یہ سُنا تو اُس کے پاس گیا اور کہا اس ٹریم کے لئے انجن بنا دوں۔ وہ راضی ہو گیا۔ اب سٹیفن نے انجن اور گاڑیاں بنانی شروع کیں۔ جس روز پہلی ٹرین چلی ہے۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں سٹیشن پر جمع ہوئے۔ اُن کا خیال تھا کہ ٹرین کبھی بھی نہیں چلے گی۔ اور خوب گڑ بڑ ہو گی لیکن وہ بہت ہی حیران ہوئے۔ جب ٹرین روانہ ہوئی۔ اس میں ایک

Taj Tahir Foundation

انجن تھا۔ پانچ چھکڑے جن میں کوئلہ اور آٹا لدا تھا اور ایک مُسافروں کی گاڑی۔ سٹیفن خود ڈرائیور تھا۔ انجن کے آگے آگے ایک گھوڑ سوار ہو لیا۔ اُسے خیال تھا کہ ٹرین گھوڑے سے تیز نہیں جا سکتی۔ لیکن تھوڑی دُور چل کر سٹیفن نے آواز دی آگے سے ہٹ جاؤ۔ اور ٹرین پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوسرے اسٹیشن پر جا پہنچی۔ یہ پہلی ریل تھی جس میں مُسافر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پر گئے۔ اب تو سٹیفن کی شہرت کو چار چاند لگ گئے اور اُس سے کہا گیا کہ وہ لورپول سے مانچسٹر تک ریل بنائے۔ جہالت

تم جانو بڑے سے بڑے سمجھ دار کو بے وقوف بنا دیتی ہے۔ انگلستان کے بڑے بڑے مدبّر اس تجویز کے متعلق مزے مزے کی باتیں کیا کرتے تھے کوئی تو کہتا تھا۔ انجن پھٹ کر گاڑیوں اور مُسافروں کے پرخچے اُڑا دیگا۔ کوئی کہتا تھا۔ انجن کھیتوں کے پاس سے گذرے گا تو تمام کھیتوں کو آگ لگ جائیگی۔ اخباروں میں بھی ایسی ہی مزہ کی باتیں چھپتی تھیں۔ ایک اخبار نے لکھا۔ لوگ دیوانے ہو گئے ہیں۔ ریلوں اور بھاپ انجنوں پر اعتبار کرنے سے بہتر ہے کہ لوگ غباروں کا اعتبار کریں۔ اور ان میں بیٹھ کر اُڑیں۔ انہیں کیا معلوم تھا

Taj Tahir Foundation

کہ ایک دن وہ بھی آئیگا۔ کہ لوگ
ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر سفر کرینگے؛

بہر حال عام لوگ اخبار والوں سے
زیادہ سمجھدار تھے۔ انہوں نے ریلوں
کا اعتبار کیا اور جب مانچسٹر اور
لورپول کی ریل تیار ہوگئی۔ تو سینکڑوں
اور ہزاروں اس میں روزانہ سفر
کرنے لگے ؛

تمہیں ایک اَور مزہ کی بات بتاؤں
سٹیفن کا ایک بیٹا تھا۔ سٹیفن نے
اُسے اسکول میں داخل کر دیا۔ لڑکا
باپ کی طرح بہت ذہین تھا۔ بہت
جلد ترقی کی اور دو چار سال ہی
میں باپ سے زیادہ پڑھ گیا۔ اب
بیٹا باپ کا استاد بنا وہ یوں کہ جو

دن بھر اسکول میں پڑھتا رات کو
آکر باپ کو پڑھاتا ؛

سعید۔ بہن یہ سٹیفن تو واقعی بڑا
آدمی تھا۔ اور اُس نے کل ایجاد
کرکے دنیا پر بڑا احسان کیا ؛

وِدیّا۔ ہاں بھائی۔ یہی لوگ دنیا کے
اصلی محسن ہیں۔ انہی کی ایجادوں نے
انسان کو قدرت کا بادشاہ بنا دیا ہے
اور اسی کی طفیل دنیا آرام کی زندگی
بسر کر رہی ہے۔ اچھا سُندر تم کہانی
کہو ؛

کہانی

سندر۔ (سوچ کر) ہاں تو۔ شیر سنگھ
اسد خاں کو جسے وہ مُردہ سمجھتا

Taj Tahir Foundation

تھا۔ لے کر امرت سر پہنچا۔ رات تو اُس نے جوں توں کر کے ایک سرائے میں گذاری۔ صبح سویرے مولوی صاحب کو بلوایا کہ نہلا کر کفن پہنائے۔ مولوی نے جو نہلانے کو پانی ڈالا۔ کچھ تو دوائی کا اثر کم ہو چکا تھا۔ پھر بدن کو پانی لگا۔ اسد خاں کو ہوش آگیا آنکھیں کھول دیں۔ شیر سنگھ دیکھ کر حیران ہُوا۔ اسد خاں نے تھوڑی دیر بعد کروٹ لی۔ پھر آنکھیں مل کر اُٹھ بیٹھا۔ شیر سنگھ نے گلے لگا لیا اور کہا۔ واگرو جی کا شکر ہے۔ تم زندہ ہو مجھے تو تمہارے بغیر اب جینا دو بھر تھا۔

اس کے بعد شیر سنگھ نے اسد خاں کو کھانا منگا کر کھلایا۔ دوسرے روز

دونوں دوست شہر کی سیر کو نکلے۔ سب سے پہلے دربار صاحب آئے۔ وہاں بڑی رونق تھی۔ ایک سمندر سا تالاب تھا۔ اس کے بیچوں بیچ میں سفید عمارت۔ تالاب کے چاروں طرف سادھو۔ بیٹھے تپ کر رہے تھے۔ ان میں ہندو بھی تھے اور مُسلمان بھی۔ زیارت کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ اب تو دربار صاحب پر سونے کا پترہ چڑھا ہے۔ اُن دنوں نہ تھا۔ یہ کہتے ہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے لگوایا۔

یہ دونوں کئی روز تک امرت سر میں رہے۔ روز صبح دربار صاحب کی زیارت کرتے اور آپس میں گرو جی کی خوبیوں کا ذکر کرتے۔ شیر سنگھ

Taj Tahir Foundation

کہتا۔ گرو نانک جی بڑے صلح کُل آدمی تھے۔ کتنی بڑی بات ہے۔ کہ ہندو انہیں ہندو سمجھتے تھے۔ اور مسلمان مسلمان۔ اسد خاں جواب دیتا۔ ہاں مسلمان انہیں بڑا ولی سمجھتے ہیں۔ تم نے ان کے حج کا قصّہ سُنا ہے؟

شیر سنگھ۔ نہیں۔

اسد خاں۔ بابا صاحب مکّہ شریف کے حج کو گئے۔ آپ ایک روز کعبہ شریف کی طرف پاؤں کر کے لیٹ گئے اور حاجیوں کو بُرا معلوم ہؤا۔ وہ بولے تم کیسے حاجی ہو۔ جو خدا کے گھر کی طرف پاؤں کر کے لیٹے ہو۔ بابا صاحب نے جواب دیا۔ بھائیو۔ معاف کرنا۔ جس طرف خدا نہ ہو مجھے بتا دو۔

میں اُس طرف پاؤں کر کے لیٹ جاؤنگا حاجیوں کو کوئی جواب نہ بن پڑا خاموش ہو رہے ٭

شیر سنگھ۔ اسی طرح کہتے ہیں ایک مرتبہ انہوں نے ہندوؤں کے مذہبی ڈھکوسلوں کی ہنسی اُڑائی۔ وہ یوں۔ کہ آپ ایک دفعہ ہردوار گئے۔ صبح کے وقت گنگا میں اشنان کرنے لگے۔ وہاں ہزاروں لوگ اشنان کر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بعض لوگ پانی چلّو میں لے کر سُورج کی طرف چھینٹے پھینک رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں بھائی کیا کرتے ہو۔ وہ بولے عزیز جو مر گئے ہیں اُن کی روحوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ یہ سُن کر خاموش ہو رہے۔

Taj Tahir Foundation

تھوڑی دیر بعد انہوں نے دوسری طرف منہ کر کے زور زور سے پانی اُچھالنا شروع کیا۔ لوگ حیران ہوئے۔ پوچھا کیا کر رہے ہو۔ کہنے لگے۔ بلاس پور میں میرے کھیت ہیں انہیں پانی دے رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے عجب بیوقوف ہو۔ کھیت بلاس پور میں اور پانی یہاں اچھال رہے ہو۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارے عزیز سورگ میں۔ فاصلہ زمین اور آسمان کا۔ جب تم یہاں سے اپنے مرے ہوئے عزیزوں کو پانی پلا سکتے ہو۔ تو کیا میں ہر دوار سے بلاس پور کے کھیتوں کو پانی نہیں دے سکتا۔ وہ شرمندہ ہو گئے ٭

دوستوں کی گفتگو

وِدیّا۔ ہاں گرو نانک جی ہندوستان کے بڑے رشیوں میں سے ہوئے ہیں۔ یہ بڑے اور نیک آدمی کی طرح انہیں سچ سے بے انتہا محبّت تھی۔ اور سچ کے اظہار میں وہ کسی سے بھی نہ ڈرتے تھے۔ تم نے بابر بادشاہ کا قصّہ سُنا ہوگا۔ ایک دفعہ بابر بادشاہ کابل سے دِلّی جا رہا تھا۔ راستہ میں امین آباد جو گوجرانوالہ سے پانچ چھ میل لاہور کی طرف ہے وہاں ٹھہرا۔ اس سے مولویوں نے کہا کہ ایک شخص جسے ہندو رشی اور مسلمان ولی سمجھتے ہیں ایک کُٹیا میں پڑا ہے۔ اور

Taj Tahir Foundation

مُسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ آدمی بھیج
کر بلوایا۔ بابا جی آئے۔ اَور ہوتا تو
بادشاہ اور اُس کے دربار کو دیکھ کر
رعب میں آجاتا۔ آپ نے پرواہ
تک نہ کی۔ سیدھا تخت کے سامنے
آکر کھڑے ہوگئے اور سلام کیا۔ بابر
اس وقت شراب پی رہا تھا۔ اُس
نے پیالہ بھر کر بابا جی کی طرف
کیا اور کہا۔ سائیں پیو۔ یہ دنیا اور
اُس کے جھگڑوں سے بے خبر کردیگی
آپ ہنس کر بولے۔ بادشاہ یہ شراب
مدہوش کرکے انسان کو حیوان بناتی
ہے۔ میں نے وہ شراب پی ہے۔ جو
باہوش کرکے انسان کو فرشتوں کا
درجہ دیتی ہے۔ بابر نے پوچھا وہ کیا

آپ نے کہا۔ وہ خدا اور اُس کے
بندوں کی محبّت ہے۔ بابر یہ جواب
سُن کر بہت خوش ہُوا۔ اور بابا جی
کو عزّت کے ساتھ رخصت کیا۔

رام لعل۔ ہاں بہن۔ بابا جی بڑے
آدمی تھے۔ لوگ تو انہیں ولی اور
رشی سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ اس سے
بھی زیادہ تھے۔ وہ ایک سچّے وطن
پرست تھے۔ انہوں نے ہندوستانیوں کو
وہ راستہ دکھایا۔ جس پر اگر وہ چلتے
تو آج کے دن یہ ذلّت نہ ہوتی۔
میری تو ہر وقت یہی پرارتھنا ہے
کہ پرمیشور گرو نانک سا کوئی لیڈر
اس سنکٹ بھومی میں پیدا ہو جائے
جو خلوص اور سچائی کے ساتھ ہندو

Taj Tahir Foundation

مسلمانوں کو اتفاق اور محبّت کا راستہ
دکھائے تو یہ آئے دن کے جھگڑے
جو معلوم ہوتا ہے مُلک و قوم کو
تباہ اور برباد کر کے ہٹیں گے۔
ختم ہو جائیں ٭
سعید۔ آمین! اچھّا سندر پھر ٭

کہانی

سُندر۔ ہاں تو یہ دونوں دوست
کچھُ روز امرت سر میں رہے۔ پھر
گھر کو واپس ہوئے۔ شیر سنگھ نے
اسد خاں سے کہا کہ تم اب میرے
ساتھ پنڈی چلنا میری ماتا جی تمہیں
دیکھ کر بہت خوش ہونگی۔ اور ہم
بھائی بھائی ہمیشہ اکٹھے رہینگے ٭

اسد خاں بولا۔ اچھّا۔ میں تمہارے ساتھ
چلوں گا۔ لیکن بھائی میں اپنی روزی
آپ کماؤں گا۔ بارِ عاطر بنوں گا۔
بارِ خاطر نہ بنوں گا ٭
شیر سنگھ نے کہا۔ واہ اس میں
بوجھ کی کیا بات ہے۔ ہم تم دوست
ہیں۔ میرا مال تمہارا مال ہے۔ اور
تمہارا مال میرا مال ہے ٭
اسد خاں نے جواب دیا۔ شیر سنگھ
یہ سچ ہے۔ کوئی مُصیبت پڑی تو
تم سے مدد لینے میں عار نہیں۔ لیکن
ہاتھ پاؤں کے ہوتے۔ دوست تو
دوست ماں باپ پر بھی بوجھ ڈالنا
خود داری کے خلاف ہے اور خود داری
میری رائے میں سچائی کے بعد

Taj Tahir Foundation

انجن بنوائے۔ اُن دنوں لوگ گاڑیوں
یا گھوڑوں پر سفر کیا کرتے تھے۔
ایک منچلے سوداگر نے یہ تجویز کی
کہ دو مقامات کے درمیان ریل کی پٹڑی
لگا کر اُس پر گھوڑوں کی ٹریم چلائے
سٹیفن نے جو یہ سُنا تو اُس کے پاس
گیا اور کہا اس ٹریم کے لئے انجن بنا
دوں۔ وہ راضی ہوگیا۔ اب سٹیفن نے
انجن اور گاڑیاں بنانی شروع کیں۔ جس
روز پہلی ٹرین چلی ہے۔ لوگ ہزاروں
کی تعداد میں سٹیشن پر جمع ہوئے۔
اُن کا خیال تھا کہ ٹرین کبھی بھی
نہیں چلے گی۔ اور خوب گڑ بڑ ہوگی
لیکن وہ بہت ہی حیران ہوئے۔
جب ٹرین روانہ ہوئی۔ اس میں ایک

اِنسان کی سب سے اعلیٰ صفت ہے۔
شیر سنگھ کیا جواب دیتا خاموش
ہو رہا۔

دونوں گھوڑوں پر سوار ہو روانہ
ہوئے۔ دوسرے روز لاہور پہنچے۔
شیر سنگھ کو تلسی بائی یاد آئی۔ بولا
چلو دیوان صاحب کے ہاں چلیں۔
بڑے اچھے آدمی ہیں۔ اسد خاں
مسکرایا اور بولا۔ ہاں۔ لڑکی خوبصورت
ہے۔ لیکن دیوان صاحب خود کچھ
ایسے اچھے آدمی نہیں۔ بھول گئے۔
مجھے بیہوشی کی دوائی کس نے پلائی
تھی؟
شیر سنگھ۔ ہاں یار یہ تو انھوں نے
بُری بات کی۔ اچھا تو تمہارا جی نہیں

Taj Tahir Foundation

انجن تھا۔ پانچ چھکڑے جن میں کوئلہ
اور آٹا لدا تھا اور ایک مُسافروں کی
گاڑی۔ سٹیفن خود ڈرائیور تھا۔ انجن
کے آگے آگے ایک گھوڑ سوار ہو
لیا۔ اُسے خیال تھا کہ ٹرین گھوڑے
سے تیز نہیں جا سکتی۔ لیکن تھوڑی
دُور چل کر سٹیفن نے آواز دی
آگے سے ہٹ جاؤ۔ اور ٹرین پندرہ
میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوسرے
اسٹیشن پر جا پہنچی۔ یہ پہلی ریل تھی
جس میں مُسافر سوار ہو کر ایک جگہ
سے دوسری جگہ پر گئے۔ اب تو
سٹیفن کی شہرت کو چار چاند لگ
گئے اور اُس سے کہا گیا کہ وہ لورپول
سے مانچسٹر تک ریل بنائے۔ جہالت

تم جانو بڑے سے بڑے سمجھ دار کو
بے وقوف بنا دیتی ہے۔ انگلستان کے
بڑے بڑے مدّبر اس تجویز کے متعلق
مزے مزے کی باتیں کیا کرتے تھے
کوئی تو کہتا تھا۔ انجن پھٹ کر گاڑیوں
اور مُسافروں کے پرخچے اُڑا دیگا۔
کوئی کہتا تھا۔ انجن کھیتوں کے پاس
سے گذرے گا تو تمام کھیتوں کو آگ
لگ جائیگی۔ اخباروں میں بھی ایسی
ہی مزہ کی باتیں چھپتی تھیں۔ ایک
اخبار نے لکھا۔ لوگ دیوانے ہو گئے
ہیں۔ ریلوں اور بھاپ انجنوں پر
اعتبار کرنے سے بہتر ہے کہ لوگ
غباروں کا اعتبار کریں۔ اور ان میں
بیٹھ کر اُڑیں۔ انہیں کیا معلوم تھا

Taj Tahir Foundation

که ایک دن وہ بھی آئیگا۔ کہ لوگ ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر سفر کرینگے۔

بہر حال عام لوگ اخبار والوں سے زیادہ سمجھدار تھے۔ انہوں نے ریلوں کا اعتبار کیا اور جب مانچسٹر اور لورپول کی ریل تیار ہوگئی۔ تو سینکڑوں اور ہزاروں اس میں روزانہ سفر کرنے لگے۔

تمہیں ایک اَور مزہ کی بات بتاؤں سٹیفن کا ایک بیٹا تھا۔ سٹیفن نے اُسے اسکول میں داخل کر دیا۔ لڑکا باپ کی طرح بہت ذہین تھا۔ بہت جلد ترّقی کی اور دو چار سال ہی میں باپ سے زیادہ پڑھ گیا۔ اب بیٹا باپ کا استاد بنا وہ یوں کہ جو

دن بھر اسکول میں پڑھتا رات کو آکر باپ کو پڑھاتا۔

سعید۔ بہن یہ سٹیفن تو واقعی بڑا آدمی تھا۔ اور اُس نے کل ایجاد کرکے دنیا پر بڑا احسان کیا۔

وِدیا۔ ہاں بھائی۔ یہی لوگ دنیا کے اصلی محسن ہیں۔ انہی کی ایجادوں نے انسان کو قدرت کا بادشاہ بنا دیا ہے اور اسی کی طفیل دنیا آرام کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ اچھا سُندر تم کہانی کہو۔

کہانی

سُندر۔ (سوچ کر) ہاں تو۔ شیر سنگھ اسد خاں کو جسے وہ مُردہ سمجھتا

Taj Tahir Foundation

تھا۔ لے کر امرت سر پہنچا۔ رات تو اُس
نے جوں توں کر کے ایک سرائے میں
گذاری۔ صبح سویرے مولوی صاحب کو
بلوایا کہ نہلا کر کفن پہنائے۔ مولوی
نے جو نہلانے کو پانی ڈالا۔ کچھ تو
دوائی کا اثر کم ہو چکا تھا۔ پھر بدن
کو پانی لگا۔ اسد خاں کو ہوش آ گیا
آنکھیں کھول دیں۔ شیر سنگھ دیکھ کر
حیران ہؤا۔ اسد خاں نے تھوڑی دیر
بعد کروٹ لی۔ پھر آنکھیں مل کر
اُٹھ بیٹھا۔ شیر سنگھ نے گلے لگا لیا اور
کہا۔ واگرو جی کا شکر ہے۔ تم زندہ ہو
مجھے تو تمہارے بغیر اب جینا دو بھر تھا۔
اس کے بعد شیر سنگھ نے اسد خاں
کو کھانا منگا کر کھلایا۔ دوسرے روز

دونوں دوست شہر کی سیر کو نکلے۔
سب سے پہلے دربار صاحب آئے۔
وہاں بڑی رونق تھی۔ ایک سمندر سا
تالاب تھا۔ اس کے بیچوں بیچ میں
سفید عمارت۔ تالاب کے چاروں طرف
سادھو۔ بیٹھے تپ کر رہے تھے۔ ان
میں ہندو بھی تھے اور مُسلمان بھی۔
زیارت کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ اب
تو دربار صاحب پر سونے کا پترہ
چڑھا ہے۔ اُن دنوں نہ تھا۔ یہ کہتے
ہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے لگوایا۔
یہ دونوں کئی روز تک امرت سر
میں رہے۔ روز صبح دربار صاحب کی
زیارت کرتے اور آپس میں گرو جی
کی خوبیوں کا ذکر کرتے۔ شیر سنگھ

Taj Tahir Foundation

کہتا۔ گرو نانک جی بڑے صلح کُل آدمی
تھے۔ کتنی بڑی بات ہے۔ کہ ہندو
انہیں ہندو سمجھتے تھے۔ اور مُسلمان
مُسلمان۔ اسد خاں جواب دیتا۔ ہاں
مُسلمان انہیں بڑا ولی سمجھتے ہیں۔ تم
نے ان کے حج کا قِصّہ سُنا ہے؟

شیر سنگھ۔ نہیں۔

اسد خاں۔ بابا صاحب مکّہ شریف کے
حج کو گئے۔ آپ ایک روز کعبہ شریف
کی طرف پاؤں کر کے لیٹ گئے اور
حاجیوں کو بُرا معلوم ہوُا۔ وہ بولے
تم کیسے حاجی ہو۔ جو خدا کے گھر کی
طرف پاؤں کر کے لیٹے ہو۔ بابا صاحب
نے جواب دیا۔ بھائیو۔ معاف کرنا۔
جس طرف خدا نہ ہو مجھے بتا دو۔

میں اُس طرف پاؤں کر کے لیٹ جاؤنگا
حاجیوں کو کوئی جواب نہ بن پڑا خاموش
ہو رہے *

شیر سنگھ۔ اسی طرح کہتے ہیں ایک مرتبہ
انہوں نے ہندوؤں کے مذہبی ڈھکوسلوں
کی ہنسی اُڑائی۔ وہ یوں۔ کہ آپ
ایک دفعہ ہردوار گئے۔ صبح کے وقت
گنگا میں اشنان کرنے لگے۔ وہاں
ہزاروں لوگ اشنان کر رہے تھے۔
انہوں نے دیکھا کہ بعض لوگ پانی چلّو
میں لے کر سُورج کی طرف چھینٹے پھینک
رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں بھائی
کیا کرتے ہو۔ وہ بولے عزیز۔ جو مرگئے
ہیں اُن کی روحوں کو پانی پلا رہے
ہیں۔ یہ سُن کر خاموش ہو رہے۔

Taj Tahir Foundation

تھوڑی دیر بعد انہوں نے دوسری طرف منہ کر کے زور زور سے پانی اچھالنا شروع کیا۔ لوگ حیران ہوئے۔ پوچھا کیا کر رہے ہو۔ کہنے لگے۔ بلاس پور میں میرے کھیت ہیں انہیں پانی دے رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے عجب بیوقوف ہو۔ کھیت بلاس پور میں اور پانی یہاں اچھال رہے ہو۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارے عزیز سورگ میں۔ فاصلہ زمین اور آسمان کا۔ جب تم یہاں سے اپنے مرے ہوئے عزیزوں کو پانی پلا سکتے ہو۔ تو کیا میں ہر دوار سے بلاس پور کے کھیتوں کو پانی نہیں دے سکتا۔ وہ شرمندہ ہو گئے ۔

دوستوں کی گفتگو

وِدیّا۔ ہاں گرو نانک جی ہندوستان کے بڑے رشیوں میں سے ہوئے ہیں۔ یہ بڑے اور نیک آدمی کی طرح انہیں سچ سے بے انتہا محبّت تھی۔ اور سچ کے اظہار میں وہ کسی سے بھی نہ ڈرتے تھے۔ تم نے بابر بادشاہ کا قصّہ سُنا ہو گا۔ ایک دفعہ بابر بادشاہ کابل سے دِلّی جا رہا تھا۔ راستہ میں ایمن آباد جو گوجرانوالہ سے پانچ چھ میل لاہور کی طرف ہے وہاں ٹھہرا۔ اس سے مولویوں نے کہا کہ ایک شخص جسے ہندو رشی اور مسلمان ولی سمجھتے ہیں ایک کُٹیا میں پڑا ہے۔ اور

Taj Tahir Foundation

مُسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ آدمی بھیج
کر بلوایا۔ بابا جی آئے۔ اَور ہوتا تو
بادشاہ اور اُس کے دربار کو دیکھ کر
رعب میں آجاتا۔ آپ نے پرواہ
تک نہ کی۔ سیدھا تخت کے سامنے
آکر کھڑے ہوگئے اور سلام کیا۔ بابر
اس وقت شراب پی رہا تھا۔ اُس
نے پیالہ بھر کر بابا جی کی طرف
کیا اور کہا۔ سائیں پیو۔ یہ دنیا اور
اُس کے جھگڑوں سے بے خبر کردیگی
آپ ہنس کر بولے۔ بادشاہ یہ شراب
مدہوش کرکے انسان کو حیوان بناتی
ہے۔ میں نے وہ شراب پی ہے۔ جو
باہوش کرکے انسان کو فرشتوں کا
درجہ دیتی ہے۔ بابر نے پوچھا وہ کیا

آپ نے کہا۔ وہ خدا اور اُس کے
بندوں کی محبّت ہے۔ بابر یہ جواب
سُن کر بہت خوش ہُوا۔ اور بابا جی
کو عزّت کے ساتھ رخصت کیا۔

رام لعل۔ ہاں بہن۔ بابا جی بڑے
آدمی تھے۔ لوگ تو انہیں ولی اور
رشی سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ اس سے
بھی زیادہ تھے۔ وہ ایک سچّے وطن
پرست تھے۔ انھوں نے ہندوستانیوں کو
وہ راستہ دکھایا۔ جس پر اگر وہ چلتے
تو آج کے دن یہ ذلّت نہ ہوتی۔
میری تو ہر وقت یہی پرارتھنا ہے
کہ پرمیشور گرو نانک سا کوئی لیڈر
اس شکٹ بھومی میں پیدا ہوجائے
جو خلوص اور سچائی کے ساتھ ہندو

مسلمانوں کو اتفاق اور محبّت کا راستہ
دکھائے تو یہ آئے دن کے جھگڑے
جو معلوم ہوتا ہے مُلک و قوم کو
تباہ اور برباد کر کے ہٹیں گے۔
ختم ہو جائیں ۔

سعید۔ آمین! اچھّا سندر پھر ۔

کہانی

سُندر۔ ہاں تو یہ دونوں دوست
کچھُ روز امرت سر میں رہے۔ پھر
گھر کو واپس ہوئے۔ شیر سنگھ نے
اسد خاں سے کہا کہ تم اب میرے
ساتھ پنڈی چلنا میری ماتا جی تمہیں
دیکھ کر بہت خوش ہونگی۔ اور ہم
بھائی بھائی ہمیشہ اکٹھے رہینگے ۔

اسد خاں بولا۔ اچھّا۔ میں تمہارے ساتھ
چلوں گا۔ لیکن بھائی میں اپنی روزی
آپ کماؤں گا۔ بارِ عاطر بنوں گا۔
بارِ خاطر نہ بنوں گا ۔

شیر سنگھ نے کہا۔ واہ اس میں
بوجھ کی کیا بات ہے۔ ہم تم دوست
ہیں۔ میرا مال تمہارا مال ہے۔ اور
تمہارا مال میرا مال ہے ۔

اسد خاں نے جواب دیا۔ شیر سنگھ
یہ سچ ہے۔ کوئی مُصیبت پڑی تو
تم سے مدد لینے میں عار نہیں۔ لیکن
ہاتھ پاؤں کے ہوتے۔ دوست تو
دوست ماں باپ پر بھی بوجھ ڈالنا
خود داری کے خلاف ہے اور خود داری
میری رائے میں سچائی کے بعد

Taj Tahir Foundation

اِنسان کی سب سے اعلیٰ صفت ہے۔

شیر سنگھ کیا جواب دیتا خاموش ہو رہا۔

دونوں گھوڑوں پر سوار ہو روانہ ہوئے۔ دوسرے روز لاہور پہنچے۔ شیر سنگھ کو تلسی بائی یاد آئی۔ بولا چلو دیوان صاحب کے ہاں چلیں۔ بڑے اچھّے آدمی ہیں۔ اسد خاں مسکرایا اور بولا۔ ہاں۔ لڑکی خوبصورت ہے۔ لیکن دیوان صاحب خود کچھ ایسے اچھے آدمی نہیں۔ بھول گئے۔ مجھے بیہوشی کی دوائی کس نے پلائی تھی؟

شیر سنگھ۔ ہاں یار یہ تو انہوں نے بُری بات کی۔ اچھّا تو تمہارا جی نہیں

چاہتا۔ نہیں چلتے۔

اسد خاں۔ نہیں میرے جی کی کیا بات ہے۔ آخر بیہوشی کی دوائی ہی پلائی تھی سنکھیا تو نہیں دے دیا تھا۔ تمہاری شادی اُن کی لڑکی کے ساتھ ہو جائے تو بہت اچھّا ہو۔ ایسی خوبصورت بیوی تمہیں کہیں اَور نہ ملیگی۔

شیر سنگھ۔ اچھّا۔ تم ناراض نہیں ہو۔ تو چلیں۔

چنانچہ دونوں دیوان صاحب کی حویلی میں پہنچے۔ اِطلاع کی۔ دیوان صاحب نے اندر بُلایا۔ اسد خاں کو دیکھ کر تو انہوں نے ناک بھوں چڑھائی۔ لیکن شیر سنگھ کو دیکھ کر

Taj Tahir Foundation

بہت خوش ہوئے۔ بہر حال دونوں کی بہت خاطر کی۔ اور شیر سنگھ سے پھر پوچھا کیا تم تلسی بائی سے شادی کرو گے۔ شیر سنگھ نے کہا۔ میں آپ کی غلامی میں آنا فخر سمجھتا ہوں۔ دیوان صاحب نے اُسی وقت جوتشی کو بُلا کر دن اور گھڑی تجویز کی۔ مہینہ بھر بعد شیر سنگھ کی تلسی بائی سے شادی ہو گئی۔ دیوان نے لاکھوں روپے شادی پر صرف کر دیئے۔ شیر سنگھ اب مزہ سے سُسرال میں رہنے لگا۔ ایک روز اسد خاں نے کہا۔ بھائی۔ تمہیں کبھی اپنی ماتا جی بھی یاد آتی ہیں۔ شیر سنگھ نے جو یہ سوال سُنا تو گویا خواب سے

چونکا۔ بولا۔ اوہو۔ میں کیسا پاپی ہوں اپنے عیش میں پیاری ماتا جی کو بھول گیا۔ سیدھا دیوان صاحب کے پاس پہنچا۔ اور کہا جناب مجھے اب گھر واپس جانا ہے۔ میری ماتا جی یاد کر رہی ہونگی۔ آپ واپسی کا انتظام کر دیں۔

دیوان کو بیٹی کی جدائی گوارا نہ تھی۔ اُس نے شیر سنگھ سے تو کہا اچھا۔ اور اسد خاں کو بُلا کر سمجھایا کہ کسی طرح دوست کو گھر جانے سے باز رکھے۔ اسد خاں نے کہا۔ جناب آپ کو شیر سنگھ کی ماں کا خیال کرنا چاہیئے۔ شیر سنگھ اُن کا اکلوتا بیٹا ہے۔ وہ تو اس کی جدائی میں مر

Taj Tahir Foundation

رہی ہونگی۔

دیوان صاحب کو اسد خاں کی بات بہت کڑوی لگی۔ لیکن خاموش ہو رہے۔ آخر مجبوری انہوں نے بیٹی کی روانگی کی تیاری کی اُس پر انہیں اسد خاں سے بغض تو ہو ہی گیا تھا۔ اُسے بُلا کر کہا تم میرے آدمی لے کر دہلی جاؤ اور وہاں سے اپنے دوست کی دُلھن کے لئے زیور لے آؤ۔ اسد خاں نے کہا اچھا۔ چنانچہ دو آدمی ساتھ کر کے اُسے دہلی کو روانہ کیا۔ آدمیوں کو سمجھا دیا کہ موقع پا کر اسے موت کی گھاٹ اتارنا۔

اسد خاں اور دیوان صاحب کے

Taj Tahir Foundation

آدمی روانہ ہوئے۔ راستہ میں تینوں
ایک جگہ ٹھہر گئے۔ اسد خاں ستانے
کو لیٹ گیا۔ دیوان کے آدمیوں نے
سمجھا سو گیا ہے۔ تلواریں نکال کر اُس
کی طرف بڑھے۔ اسد خاں فوراً اُٹھ
بیٹھا۔ اور تلوار کھینچ کر اُن سے لڑنے
لگا۔ وہ بھاگ گئے۔ اسد خاں سمجھ گیا
زیور کا صرف بہانا تھا۔ غرض مجھے اپنے
ہی خون میں نہلانا تھا۔

یہ گھوڑے پر سوار ہو لاہور کو
واپس ہُوا۔

اسد خاں کے جانے کے بعد دیوان
نے شیر سنگھ سے کہا اب سامان تیار
ہے۔ تم رخصت ہو۔ شیر سنگھ نے
پوچھا میرا دوست کہاں ہے۔ دیوان نے

Taj Tahir Foundation

کہا۔ وہ تھوڑی دُور زیور لینے گیا ہے
تم چلو تمہیں اگلی منزل پر آ ملیگا۔
شیر سنگھ کا اسد خاں بغیر چلنے کو جی
تو نہ چاہتا تھا۔ لیکن ان کے کہنے
سے رخصت ہُوا۔

ادھر اسد خاں واپس آیا تو اسے
پتہ چلا کہ شیر سنگھ روانہ ہو گیا ہے
اس کا گھوڑا سخت تھکا ہُوا تھا۔ یہ
پا پیادہ دوست کے پیچھے بھاگا شیر سنگھ
بہت دُور نکل گیا تھا۔ یہ دن بھر
برابر دَوڑتا رہا۔ آدھی رات گئی یہ
شیر سنگھ کے کیمپ میں پہنچا۔ شیر سنگھ
بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا
تھا۔ اسے دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔
اسد خاں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب

ہوش آئی تو اُٹھا نہ جاتا تھا۔ تمام
جسم گنٹھے سے جکڑ گیا تھا۔ وہاں نہ
کوئی حکیم تھا نہ ڈاکٹر جسے دکھائے
شیر سنگھ کو اَور تو کچھ نہ سُوجھی اُسے
ڈولی میں ڈال۔ ساتھ لے روانہ ہو گیا۔
دو منزلہ سہ منزلہ کرتا۔ یہ راولپنڈی
پہنچا۔ اور سیدھا ماں کے پاس آیا۔
ماں نے جو اُسے دیکھا تو خوشی سے
باغ باغ ہو گئی۔ بیٹے کو گلے لگایا۔
شیر سنگھ نے بیوی سے ملایا۔ ماں
تلسی بائی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی
اور بولی۔ بیٹا تمہاری دُلہن تو بہت
پیاری ہے۔ واگرو جی تمہیں مُبارک
کرے۔ شیر سنگھ نے کہا۔ ہاں ماتا جی
تلسی بائی محبّت اور نیکی کی دیوی ہے

Taj Tahir Foundation

لیکن میں ایک اس سے بھی زیادہ
قیمتی چیز لایا ہوں۔ ماں بولی۔ وہ کیا
شیر سنگھ نے کہا۔ وہ میرا بھائی ہے
پھر اُس نے اسد خاں کے ملنے اور
اُس کی محبّت اور وفاداری کا قِصّہ
سُنایا۔ ماں بولی۔ بیٹا مجھے بھی اپنے
دوست سے ملاؤ۔ شیر سنگھ دوست کی
چارپائی اندر لایا۔ اسد خاں سفر اور
بیماری کی تکلیف سے مردہ ہو رہا
تھا۔ شیر سنگھ کے ساتھ جو ایک ادھیڑ
عمر کی عورت کو دیکھا۔ سمجھ گیا۔ اس
کی ماں ہے۔ ادب سے اُٹھنے کی
کوشش کی لیکن اُٹھا نہ گیا۔ شیر سنگھ
کی ماں نے کہا۔ بیٹا اُٹھو نہیں۔ پھر
اُس نے اسد خاں کے سر پر محبّت

سے ہاتھ پھیرا۔

اب اسد خاں کا باقاعدہ علاج
ہونے لگا۔ لیکن جوں جوں علاج
ہوتا تھا۔ اسد خاں کی حالت خراب
ہوتی جاتی تھی۔ شیر سنگھ اس وجہ
سے بہت مغموم رہتا تھا۔ اِسی عرصہ
میں شیر سنگھ کے ہاں ایک بیٹا ہوُا۔
شیر سنگھ کو اس کی بھی خوشی نہ ہوئی۔
ایک روز شیر سنگھ غم سے سر جھکائے
اسد خاں کی چارپائی کے پاس بیٹھا
تھا۔ کہ ایک سفید ریش کمرہ میں
داخل ہوُا۔

شیر سنگھ نے پوچھا۔ آپ کون ہیں؟
سفید ریش۔ میں ایک طبیب ہوں۔
شیر سنگھ۔ آئیے۔ میرے دوست کو دیکھئے

Taj Tahir Foundation

اگر آپ اسے اچھا کر دیں تو میں جو کچھ بھی میرے پاس ہے آپ کو دینے کو تیار ہوں ۔

سفید ریش نے جھک کر اسد خاں کو دیکھا۔ اسد خاں بیہوش پڑا تھا۔ پھر حکیم بولا۔ اگر تم دوست کو اچھا کرنا چاہتے تو ایک نئے پیدا ہوئے بچّہ کا تازہ خون اس کی رگوں میں داخل کرو۔ یہ اچھّا ہو جائیگا ۔

شیر سنگھ کو فوراً اپنے بچّہ کا خیال آیا۔ سفید ریش کو وہیں چھوڑ اپنے بچّہ کو اُٹھا لایا اور کہا یہ میرا بچّہ ہے۔ آپ اس کا خون میرے دوست کے جسم میں ڈال دیں ۔

بڑے میاں نے پہلے اسد خاں

کی رگ کھول۔ پھر بچّہ کی فصد کھول کر اسد خاں کی رگ کے ساتھ اس کی رگ ملا دی۔ اسد خاں کے جسم میں خون داخل ہونے لگا۔ حکیم جی نے دو چار منٹ بعد دونوں کے زخموں پر کوئی مرہم سا لگا دیا۔ خون بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اسد خاں نے آنکھیں کھول دیں۔ اور دو چار گھنٹوں میں اُٹھ کر بیٹھ گیا ۔

اُدھر بچّہ کو مُردہ سمجھ کر پنگھوڑے میں لٹا دیا۔ اور سب رونے لگے۔ صرف شیر سنگھ سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا ۔

اسد خاں نے جو عورتوں کو روتا دیکھا۔ پوچھا کیا بات ہے۔ شیر سنگھ

Taj Tahir Foundation

تو خاموش رہا۔ اُس کی ماں نے کہا
بیٹا تمہارا بھتیجا تم پر سے قربان
ہوُا۔ پھر اُس نے سب قِصّہ کہا ۔

اسد خاں نے کہا غضب کیا اور
خنجر نکال اپنے سینہ میں گھونپنے لگا۔
حکیم جی نے اُٹھ کر ہاتھ پکڑ لیا۔
پھر کہا۔ پنگھوڑے میں دیکھو۔ پنگھوڑے
میں دیکھا تو شیر سنگھ کا بچّہ انگوٹھا
منہ میں لئے لاتیں مار رہا تھا۔ سب
خوشی سے اچھل پڑے اور بولے۔
واگرو جی کی فتح ۔

سفید ریش بولا۔ جاؤ بیٹا۔ خوش
رہو۔ سچائی اور وفا کی ہمیشہ فتح ہے۔

ست سری اکال

یہ کہہ کر وہ نظروں سے غائب

ہو گیا ۔

سعید۔ بھئی سُندر کہانی تو مزہ کی ہے
کیا یہ سچّا واقعہ ہے؟

سُندر۔ یہ تو میں جانتا نہیں۔ لیکن
سب بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ پُرانے
زمانہ میں جھوٹ کم تھا۔ اور سچّی
بے غرض محبّت اور دوستی ایسی
کم یاب نہ تھی جیسی کہ اب ہے۔

سعید۔ اچھّا سُندر یہ گرو گوبند سنگھ
جی کون تھے؟

سُندر۔ آپ سکھّوں کے دسویں گرو
تھے۔ گرو نانک جی کا حال تو تم
نے سُنا ہی ہے۔ وہ سکھّوں کے
پہلے گرو تھے۔ آپ نے اپنے مریدوں
کو صلح اور پریم کی تلقین کی۔ سکھ

Taj Tahir Foundation

کے معنی مرید کے ہیں اور مرید تم
جانتے ہو۔ مرشد کا ادب کس طرح
کرتے ہیں۔ اسی طرح سکھ بھی حاکموں
کی تابعداری کیا کرتے تھے۔ اورنگ زیب
بادشاہ کے زمانے میں گنتے ہیں۔
اورنگ زیب کے کسی گورنر نے
سکھوں کو تکلیف دینی شروع کی۔
اس وقت سکھوں کے دسویں گرو
گوبند سنگھ جی ان کے لیڈر تھے۔
انہوں نے سوچا کہ سختی کا جواب اگر
عاجزی سے دیا جائے۔ تو سختی اَور بڑھتی
ہے۔ اس لئے سختی کا جواب سختی ہی
ہونا چاہیئے۔ یہ سوچ کر انہوں نے اس
فرقہ کو سکھ سے سنگھ بنا دیا۔ سنگھ کے
معنی ہیں شیر یعنی بہادر۔ اس وقت سے یہ

فرقہ ایک جنگی فرقہ بن گیا۔
سعید۔ اسی لئے ہر سکھ کے نام
کے بعد سنگھ ہوتا ہے۔ جیسا کہ
تمہارے نام کے پیچھے بھی ہے۔
سُندر۔ ہاں یہی سبب ہے۔ گورو
گوبند سنگھ جی نے اپنے بہادر
ساتھیوں کو پانچ چیزیں رکھنے کا
حُکم دیا۔ (۱) کیس یعنی سر کے بال
رکھیں۔ ان کی حفاظت کریں۔ قینچی
اور اُسترے کا استعمال بالکل نہ کریں۔
سعید۔ یہ کس لئے؟
سُندر۔ شاید اس لئے کہ اگر لڑائی
کے میدان میں زیادہ دیر تک رہنا
پڑے تو حجامت کی طرف سے تسلّی
رہے۔ نہ بال کٹوائیں۔ نہ ڈاڑھی منڈوائیں

Taj Tahir Foundation

نہ قینچی اُسترے کی ضرورت پڑے ۔

سعید۔ اچھّا۔ اَور ۔

سُندر۔ دُوسرے یہ کہ بالوں کو صاف رکھنے کے لئے کنگھی ہمیشہ پاس رکھیں تیسرے جسم کے نچلے حِصّے کے لئے تہ بند۔ پاجامہ یا شلوار کی بجائے کچھ یا کچھیرا پہنیں ۔

چوتھے یہ کہ کرپان ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں۔ میری کرپان تو تم نے کئی دفعہ دیکھی ہے۔ یہ دُشمن سے حفاظت کے لئے ہے ۔

پانچویں یہ کہ ہاتھ میں لوہے کا کڑا پہنے رکھیں۔ یہ بھی کبھی نہ کبھی کام آ ہی جاتا ہے ۔

سعید۔ تو گویا لڑائی کے لئے ہر وقت

تیار اور مسلّح رہے ۔

سُندر۔ ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے ۔

وِدیا۔ یہ اسی تربیت کا اثر ہے۔ کہ سکھّ بچپن ہی سے نڈر اور منچلے ہوتے ہیں۔ اِسی لئے سرکاری فوجوں میں سکھ سپاہیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اور انہوں نے لڑائی کے میدان میں بہادری کے بڑے بڑے جوہر دکھائے ہیں ۔

سُندر۔ بہن۔ ہندو مسلمانوں میں بھی بعض فرقے ایسے ہی بہادر ہیں جیسے کہ سکھّ۔ تمہیں معلوم ہے یورپ کی لڑائی میں صرف ایک پنجابی سپاہی نے وکٹوریا کراس کا مشہور تمغہ حاصل کیا اور وہ جہلم کا ایک مسلمان

Taj Tahir Foundation

سپاہی تھا۔ اُس کا نام شیر خاں ہے۔
سعید۔ وکٹوریا کراس کا تمغہ کسے ملتا ہے؟
سُندر۔ اُسے جو لڑائی میں دُشمن کے سامنے غیر معمولی بہادری دکھائے۔ یہ تمغہ ہمارے بادشاہ کی دادی ملکہ وکٹوریا نے کریمیا کی مشہور جنگ میں جاری کیا۔ اُسے جاری ہوئے بہتر سے زیادہ سال ہوئے۔ لیکن اب تک گیارہ سو چھ تمغے تقسیم ہوئے ہیں۔ بس اسی سے سمجھ لو۔ کہ اس تمغہ کا حاصل کرنا کتنی بڑی بات ہے۔
ودیا۔ جنگ واقعی ایشور کا قہر ہے۔ مقدمہ بازی کی طرح اس میں شکست تو شکست ہے ہی۔ لیکن فتح بھی شکست سے کم نہیں۔ یورپ ہی کی

جنگ کو لو۔ فرانس اور انگلستان کو پرماتما نے فتح دی۔ لیکن فتح کے بعد اب تک دونوں قومیں مُصیبت میں گرفتار ہیں۔ مالی حالت دونوں کی کمزور ہے۔ عام لوگ چیزوں کی گرانی کی وجہ سے اب تک تکلیف میں ہیں۔
سُندر۔ ہاں۔ بہن۔ صحیح ہے۔ لیکن لڑائی کے میدان میں انسان درندے بن کر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں۔ بعض سپاہیوں سے ایسے کارنامے ظاہر ہوسکتے ہیں۔ جو بنی نوع انسان کے لئے باعث فخر و ناز ہیں۔
رام لعل۔ ایک دوسرے کو ہلاک کرنا بھی کوئی فخر کی بات ہے۔ سکندر

Taj Tahir Foundation

نپولین۔ نادر خاں۔ یہ سب بڑے جرنیل ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی بڑائی مٹانے میں تھی۔ مٹا ہر کوئی سکتا ہے بڑا کام یہ ہے کہ دوسروں کو زندہ رکھنے کے لئے انسان اپنی جان جوکھوں میں ڈالے۔ جیسا کہ ایک امریکن ڈاکٹر نے کیا۔ بخار چڑھا۔ اُس نے اپنے آپ کو مچھروں سے کٹوایا اور مر گیا۔ مگر ہمیں تمہیں زندہ کر گیا۔ وہ کیسے یوں کہ ہمیں بتا گیا کہ ملیریا سے بچنا چاہتے ہو تو مچھروں سے بچو۔ یہ اصل بہادری تھی۔ میری رائے میں ایسی جرأت دکھانے والے کو وکٹوریا کراس کا تمغہ ملنا چاہیئے۔

سُندر۔ وکٹوریا کراس ملتا بھی ایسے ہی

بہادروں کو ہے۔ میں تمہیں ایک واقع سُناتا ہوں۔

کریمیا کی لڑائی میں رُوسی ایک طرف تھے۔ اور ترک۔ انگریز اور فرانسیسی دوسری طرف۔ ایک انگریزی جہاز کے کپتان کو حُکم ہُوا کہ وہ اپنے سپاہی لے کر خشکی پر آئے اور لڑائی میں شریک ہو۔ چنانچہ کپتان اور اس کے سپاہی جہاز سے اُتر آئے۔ یہ سب ایسی جگہ بھیجے گئے جہاں ایک توپ خانہ تھا۔ اور انہیں حکم ہُوا کہ دشمنوں پر گولہ باری کریں۔ یہ کئی گھنٹے گولہ باری کرتے رہے۔ آخر بارود ختم ہو گیا۔ دستہ کے چند آدمی دَوڑ کر بارود کے بکس اُٹھا لائے۔ ابھی یہ بکس کھول رہے تھے

Taj Tahir Foundation

کہ ان کے درمیان رُوسی توپخانے سے ایک
گولہ آ گرا۔ گولے کا فتیلہ سلگ رہا تھا۔
سپاہی تو اُسے دیکھ کر گھبرا گئے۔ لیکن
کپتان بہادر آدمی تھا۔ اُس نے فوراً
گولے کو اُٹھا لیا۔ اُس کے سپاہی یہ
دیکھ کر چلّائے۔ فتیلہ جل رہا ہے۔ ابھی
گولہ پھٹے گا اور تم پاش پاش ہو جاؤ گے
لیکن بہادر کپتان نے اس کی پرواہ
نہ کی اور گولہ کو لے کر بھاگا۔ توپخانہ کے
گرد ایک کچّی دیوار تھی۔ وہاں پہنچ کر
اس نے گولے کو باہر پھینک دیا۔ گولہ
اس کے ہاتھ سے نکلتے ہی پھٹا۔ اگر ایک
لمحہ بھی اور توقف ہوتا تو بہادر کپتان ن
اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کی کوشش
میں موت کا شکار ہوتا۔ تم نے دیکھا

جنگ میں بھی ایسے موقع ہوتے ہیں جب
انسان دوسروں کو بچانے کے لئے اپنی
جان جوکھوں میں ڈالتا ہے۔

سعید۔ تو کیا اس کپتان کو بھی وکٹوریا
کراس کا تمغہ ملا یا نہیں؟

سُندر۔ ہاں کہتے ہیں یہی پہلا شخص تھا
جسے وکٹوریا کراس کا تمغہ نصیب ہُوا۔

سعید۔ خوب۔ اچھا۔ بھائی رام لعل اب
چلتے ہیں۔ دعوت کا شکریہ۔ آج نہایت
لُطف سے وقت کٹا۔ اب آئندہ اتوار
تم بہن ودیا اور سندر میرے ہاں کھانا کھانا

رام لعل۔ اچھا۔

ودیا۔ رام ٹھہرو۔ میں ماتا جی سے پوچھ
آؤں۔ یہ کہہ کر ودیا باہر گئی۔ تھوڑی
دیر بعد واپس آئی اور کہا۔ ماتا جی

Taj Tahir Foundation

کہتی ہیں۔ خوشی سے جاؤ۔ لیکن سعید سے کہ دو۔ گوشت نہ پکائے ۔

سعید۔ بہن۔ میں جانتا ہوں۔ تم اور رام لعل گوشت نہیں کھاتے۔ مجھے تمہارے مذہبی جذبات کا احترام ہے۔ میں امّاں جان سے کہ دونگا۔ گوشت نہ پکائیں۔ اچھّا بہن۔ رخصت ۔

رام لعل اور ودّیا دوستوں کو چھوڑنے کے لئے گھر کے دروازہ تک آئے۔ اور سعید اور سندر سلام اور بندگی کہ کر رخصت ہوئے ۔

تمام شد

کاشی رام پریس لاہور سابقہ نول کشور پریس میں باہتمام لالہ ابناشی رام مینیجر چھپی

تصانیف خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب ایم۔ اے

میاں کوشش۔ ایک غریب لڑکے کا بہت مزے دار قصہ جس نے اپنی کوشش اور محنت سے اتنا درجہ پایا۔ کہ بادشاہ کا ولی عہد بن گیا۔

غٹرغوں۔ بادشاہ کی دوسری بیوی نے پہلی بیوی کے تین بیٹوں کو جادو کے زور سے کبوتر بنا دیا۔ اور وہ محل سے اڑ گئے بہن ان کی تلاش میں چلی۔ اور بھائیوں کو پھر انسان بنانے کی کوشش میں اس نے بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔ آخر چِتا پر جلائی جا رہی تھی۔ کہ اسی وقت اس کے بھائی انسانی شکل میں آ گئے۔ قیمت ۵ ر

ککڑوں کوں۔ تین شہزادے باپ کے لئے سب سے اچھا تحفہ تلاش کرنے نکلے۔ ان میں سے سب سے چھوٹا ... میں جا پہنچا۔ اور سب سے اچھا تحفہ لے آیا۔ ... انسانوں کی شکل میں آ کر شہزادے سے شاد... مشکل میں اس کو مدد پہنچائی۔ کہانی کے ساتھ سب مذہبوں کے لوگوں کے اتفاق سے رہنے پر فائدہ مند خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ قیمت ۷ ر

دار الاشاعت پنجاب لاہور

درکنٹائل پریس لاہور میں سید ممتاز علی اینڈ سنز پبلشرز ریلوے روڈ لاہور نے باہتمام منشی اللہ بخش پرنٹر چھپوائی

LIBRARY
3..................